جامعہ مدنیہ لاہور کا علمی، ادبی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

:نگرانِ اعلیٰ:

حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

جامعہ مدنیہ لاہور کا علمی، ادبی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

نگرانِ اعلیٰ :

حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ انوار مدینہ

جلد : ۲ شمارہ : ۹

محرم الحرام ۱۳۹۲ھ مارچ ۱۹۷۲ء

فون

۶۲۹۳۲

مرتب

حبیب الرحمٰن اشرف

فاضل جامعہ مدنیہ، لاہور

جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک ○ راوی روڈ ○ لاہور

اِس شمارے میں

اداریہ	----------	۳
اُولٰئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُون	حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ	۸
نعت	جناب احسان دانش	۲۳
انوارِ صحابہ رض	حضرت مولانا بشیر احمد پسروری مدظلہ	۲۴
وُہ تنعم	حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ	۲۷
تصوّر	حضرت سید انور حسین نفیس مدظلہ	۳۰
دعاء کی افادیت اہمیت	حضرت مولانا محمد اجمل صاحب مدظلہ	۳۱
اخبار الاولیاء	حضرت نفیس مدظلہ	۴۳
اقتصادی اور سیاسی مسائل	حضرت مولانا سید محمد میاں مدظلہ	۴۸

بدل اشتراک : سالانہ سات روپے طلبہ کیلئے پانچ روپے فی پرچہ ۶۵ پیسے

سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع وناشر نے مکتبۂ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ انوارِ مدینہ، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا

کاش عذاب پہنچنے پر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑاتے!

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ملک کو ایک عرصہ سے جن مصائب و شدائد کا سامنا ہے اور اہلِ وطن کو مشرقی پاکستان کے سقوط سے حال ہی میں جو زبردست دھچکا لگا ہے۔ اس کے پیشِ نظر بجا طور پر یہ اُمید اور توقع کی جاتی تھی کہ اب وطنِ عزیز کے تمام باشندے عقل و ہوش کے ناخن لیکر اپنی حالت سدھارنے کے لیے دن رات ایک کردیں گے۔ اب اس ملک کا ہر شہری دوسروں پر بھروسہ کرنے کے بجائے صرف خدائے عز و جل پر ہی اعتماد اور بھروسہ کرے گا، خدا اور رسول کی نافرمانی اور حکم عدولی سے بہرصورت اجتناب کریگا، کجروی اختیار کرنے کے بجائے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کو ہی فلاح و نجات کا ذریعہ سمجھے گا۔ یہاں رہنے والے ہر شخص کے دل میں انابت اور رجوع الی اللہ کا جذبہ پیدا ہوگا اور اس شکست و ہزیمت کے حقیقی اور بنیادی سبب کے ازالہ کے لیے شب و روز کوشاں رہے گا، لیکن ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

یہ سب توقعات اور یہ تمام امیدیں خاک میں مل گئیں اور ہنوز حالات میں رائی برابر بھی اصلاح اور بہتری کے آثار نمودار نہیں ہوئے۔

وائے غفلت و نادانی! کہ اتنی واضح شکست اور عظیم حادثہ بھی ہمارے لیے سبق آموز ثابت نہ ہوا اور اس ناکامی اور

رسوائی کے بعد بھی سنبھلنے اور راہ راست پر آنے کے بجائے اور زیادہ فسق و فجور کا شکار ہو کر رہ گئے۔

یہ ملک ہم نے یہ کہہ کر حاصل کیا تھا کہ اسمیں قوانینِ اسلامیہ کا نفاذ ہوگا۔ اسلامی تعلیمات و اقدار کا بول بالا ہوگا۔ مسلمان آزادی کے ساتھ وُہ سب کچھ کریں گے جن کے کرنے کی اسلام انہیں تلقین کرتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ملک بنتے ہی یہ دعوے اور وعدے طاقِ نسیان کی زینت بن کے رہ گئے اور اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والے مُلک میں وہ وہ کام ہوتے رہے جن کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ یہاں اسلامی تعلیمات کا بول بالا تو کیا ہوتا الٹا ان کا مذاق اڑایا گیا، کھلے بندوں اس خدا کی نافرمانی ہوتی رہی جس نے یہ ملک بخشا تھا، قرآن و سنت کو استہزاء کا نشانہ بنایا گیا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے باغیوں کو جو سنگین سزا کے مستحق تھے اس ملک میں اعلیٰ مناصب اور بڑے بڑے عہدے دیئے گئے۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اصحاب نبی پر کمال بے حیائی کے ساتھ تنقید کی گئی۔ غرضکہ شاید ہی کوئی ایسا گناہ اور ایسا جرُم ہو جو کسی بھی ملک میں ہوتا ہو اور یہاں اس کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ان مجرمانہ حرکات و افعال کے مرتکب اشخاص کی حکومتی سطح پر حوصلہ افزائی کی جاتی رہی اور ایسا لگتا تھا کہ رعایا اور حکمران خود کو تمام اسلامی بندھنوں سے آزاد تصور کرتے ہیں اور ان کے دِل خوفِ خدا اور شرم رسول سے معرّیٰ ہو گئے ہیں۔

گذشتہ اقوام کے واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب سرکشی اس حد کو پہنچ جایا کرتی ہے تو پھر جبار و قہار خدا ایسی سزا دیتا ہے کہ الامان والحفیظ۔

اور نافرمانوں کو سرکشی کا مزہ چکھانے کے لیے ان بطش ربك لشدید اور ان اخذہ الیم شدید کا مظاہرہ کرتا ہے۔

گذشتہ چند ماہ میں مشرقی اور مغربی پاکستان میں جو کچھ پیش آیا وہ بلاشبہ ہماری اپنی کرتوتوں اور غلط کاریوں کی شامت تھی، ہماری اسلام سے روگردانی کی وجہ ہی سے فتنہ و فساد کے چشمے ابل پڑے، بھائی بھائی کے قتل میں مزہ پانے لگا۔ خشکی اور تری میں جنگ و جدل کا بازار گرم ہو گیا اور ہر طرف خوف و ہراس اور بدامنی و بے چینی کی فضا قائم ہو گئی۔ گویا:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ — خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب

بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا (پ۲۱: ر۸)

سے فساد پھیل گیا ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے۔

کا پورا پورا نقشہ کھنچ گیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب کوئی قوم شرم وحیاء سے عاری ہوکر خدا کی ہر طرح کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جاتی ہے تو پھر۔

هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ (پ۷ : رکوع ۱۲)

کہدو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب اوپر سے بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے۔ یا تمہیں مختلف فرقے کرکے ٹکرادے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھادے۔

کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور بالآخر وہ نافرمان اور سرکش قوم تباہ و برباد ہوکر رہ جاتی ہے۔

اگر ہم نے اپنے ان وعدوں کو پورا کیا ہوتا جو ہم نے ملک بناتے وقت کئے تھے تو ہمیں یہ بُرا وقت کبھی نہ دیکھنا پڑتا اور ہم اس خسران اور بدحالی کا ہرگز ہرگز شکار نہ ہوتے۔ یقیناً یہ روزِ بد ہمیں قرآن وسنت کی تعلیمات سے انحراف، کفرانِ نعمت، عہد شکنی اور ظلم و تعدی ایسے جرائم کے نتیجے میں دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ ان عظیم جرائم کے مسلسل ارتکاب کی پاداش میں ہمیں اتنے عظیم ابتلاء سے دوچار ہونا پڑا۔ (ما نزل بلاء الا بذنب)۔

ایسا لگتا ہے کہ جیسے خالقِ کائنات نے قومِ عیسےٰ علیہ السلام کی طرح ملک عطاء کرتے وقت ہم سے بھی یہ کہا ہو کہ تمہاری حسبِ منشاء ملک دے رہا ہوں لیکن فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (پھر اس کے بعد جو کوئی تم میں سے ناشکری کریگا تو میں اُسے ایسی سزا دونگا جو دنیا میں کسی کو نہ دی ہوگی)

پاکستان کے معرضِ موجود میں آتے ہی یہاں کے باعمل علماء اور اہلِ درد اور صاحبِ بصیرت لوگوں نے حکمرانوں سے یہ مطالبہ کیا کہ اس ملک میں جلد تر اسلامی نظامِ حیات کو نافذ کیا جائے، کیونکہ اپنی فلاح ونجات اور دنیا و آخرت میں سرخروئی

سرفرازی حاصل کرنے کے علاوہ ایسا کرنا اس لیے بھی اشد ضروری ہے کہ اسلام کے سوا کوئی بھی ذریعہ ایسا نہیں جو مغربی اور مشرقی پاکستان ایسے دُور دراز واقع دو خطوں کو باہم متحد اور ایک ملک کی شکل میں قائم رکھ سکے، مگر اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے نابلد غرور و تبختر کے پیکر نا عاقبت اندیش اور صحیح سوچ کی صلاحیت سے محروم حکمرانوں نے ان کی ایک نہ سُنی اور برابر اپنی خواہشات کی تکمیل میں لگے رہے۔ نتیجۃً وہ ہُوا جو ہمارے سامنے ہے۔

اب بھی یہ اطمینان نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد کوئی نیا حادثہ پیش نہیں آئے گا اور کوئی نئی مصیبت ہم پر مسلط نہ ہوگی، کیونکہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ بطش شدید اور اخذ الیم کی آخری حد کیا ہے؟ اور پھر ہماری غفلت کا اب بھی تو وہی عالَم ہے جو پہلے تھا۔ اتنی زبردست سزا پانے کے بعد بھی ہمارا راہِ راست پر نہ آنا بدعملی اور عصیاں سے دستکش نہ ہونا بہت ہی زیادہ باعثِ تشویش ہے۔ ایسی صورت میں ہمیں اس سے کہیں زیادہ خطرناک اور بُرے انجام کا اندیشہ ہے۔

آخر میں ہماری اپنے تمام ہموطنوں سے درخواست ہے کہ ہم سب اللہ جل مجدہٗ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔ اسکی نافرمانی سے باز آجائیں اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے دن رات جدوجہد کریں۔

ہم صدر مملکت سے بھی یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وُہ اللہ ہی پر نظر رکھیں۔ ملک میں پُرامن اور خوشگوار ماحول پیدا کرنے کے لیے بلا تاخیر شرعی قوانین نافذ کر دیں اور ایسے تمام اقدامات و احکام سے گریز کریں جو ان سے پہلے حکمرانوں کی بدنامی، رُسوائی اور زوال کا موجب بنے۔

اِس ضمن میں ہم صدرِ محترم کو ایک مفید اور ضروری مشورہ دیتے ہیں جس پر عمل کرنا یقیناً ملک اور صدر صاحب کے مفاد میں ہوگا۔ وُہ یہ کہ سابق حکمرانوں نے "فرقۂ قادیانیہ" کو بڑا فروغ دیا۔ اسے بہت کلیدی مناصب عطاء کئے۔ حتّٰی کہ فوج میں بھی بڑے بڑے عہدوں پر مزرائی (جو جہاد کو عقیدۃً حرام سمجھتے ہیں) فائز کئے گئے۔ بھلا جہاد کو عقیدۃً حرام اور گناہ سمجھنے والوں کو ایسی فوج میں کسی بھی منصب پر رکھنے کی کیا تک ہے، جو جہاد کو فریضہ اور عبادت سمجھتی ہے۔ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

ہمارا دشمن تعداد کے لحاظ سے بھی ہم سے بہت آگے ہے اور جنگی ساز و سامان کے لحاظ سے بھی۔ اس صورت میں اسے نیچا دکھانے اور شکست دینے کی اس کے سوا اور کوئی شکل نہیں کہ ہمارے سپاہیوں میں جہاد کی روح اور شہادت کا ولولہ موجود ہو، ہر مجاہد جذبۂ جہاد سے پُوری طرح سرشار ہو اور ظاہر ہے کہ ایسا ہونا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک فوج میں ایسے افراد موجود ہوں جو جہاد کو حرام سمجھتے ہوں،

اسلئے جنابِ صدر سے گذارش ہے کہ اس مارِ آستین فرقہ سے ہوشیار رہیں کیونکہ ہمارے خیال کے مطابق ماضیٔ قریب کے دونوں صدر اس کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہوئے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اب وہ پاکستان کو خالص قادیانی سٹیٹ بنانے کے لیے اقتدارِ اعلےٰ حاصل کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ●●

۱۲ محرم الحرام
۱۳۹۲ھ

"انوارِ مدینہ" میں
اشتہار
دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

فتنوں کی سرکوبی

اولئک ھم الراشدون

"خلافت و ملوکیت" کے جواب میں!

شیخ الحدیث حضرۃ علامہ مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ

(قسط: ۱۳)

شام اور سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

فتوحاتِ شام میں بنو اُمیّہ کا حصّہ

سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں مودودی صاحب کا قلم بڑی تیزی سے رواں ہوتا ہے۔ روانیٔ قلم کا جواب بھی اسی طرح کی روانی سے دیا جا سکتا ہے، مگر یہ خدمت دوسرے حضرات انجام دے چکے ہیں۔ ہمارے پیشِ نظر صرف وہ اعتراضات اور الزامات ہیں جن کا تعلق سیّدنا عثمانؓ سے ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں امیر المؤمنین شہید سیدنا حضرت عثمان بن عفان ذی النورین پر مودودی صاحب کے تین اعتراض ہیں۔

۱۔ یہ طلقاء میں سے تھے

ارشاد ہے۔ "اس خاندان کے جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے اور طلقاء سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخری وقت تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوتِ اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ، ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم انہیں معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے۔ (ص ۱۰۹)

فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی کہ سابقین اولین جنہوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا پیچھے ہٹا دیئے جائیں اور ان کی جگہ یہ لوگ امت کے سرخیل ہو جائیں ۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۹)

۲- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاقہ کو وسیع کیا

فرماتے ہیں :-
حضرت معاویہ سیدنا عمر فاروق کے زمانہ میں صرف دمشق کی ولایت پر تھے ۔ حضرت عثمان نے ان کی گورنری میں دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا ۔ (ص ۱۰۸)

(۳) مسلسل طویل مدت تک ایک ہی صوبہ کی گورنری پر رکھا

حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبہ کی گورنری پر مامور کئے رکھا ۔ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے ۔ حضرت عثمان نے ایلہ سے سرحدِ روم تک اور الجزیرہ سے ساحلِ بحر ابیض تک کا پورا علاقہ انکی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانۂ خلافت بارہ سال میں ان کو اسی صوبہ پر برقرار رکھا ۔ یہی وہ چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علیؓ کو بھگتنا پڑا ۔ شام کا یہ صوبہ اس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا ۔ (ص ۱۱۵)

حضرت معاویہ اس صوبہ کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ یہاں انہوں نے اپنی جڑیں پوری طرح جما لیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہو گیا ۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۱۵)

جوابات

کوئی بات مودودی صاحب کے خلافِ منشا ہوتی ہے تو فرما دیتے ہیں یہ تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں ہے (خلافت و ملوکیت ص ۳۲۸) اور خود آپ کے مطالعہ کے حدودِ اربعہ وُہ موضوع اور ضعیف روائتیں ہوتی ہیں جن سے آپ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر الزام ثابت کر سکیں ۔ اسی کتاب میں تقریباً انہی صفحات میں وہ روائتیں ہوتی ہیں جو اس موضوع روایت کی تردید کریں، مگر آپ کی نظرِ تحقیق ان کے مطالعہ کا رخ ہی نہیں کرتی اور اگر مطالعہ میں آتی ہیں تو پھر ان کو نظر انداز کرنے کی وجہ تحقیق طلب ہے ۔

ہر ایک صاحبِ بصیرت جانتا ہے کہ حال ماضی کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے ۔ زمانۂ حال کے کسی واقعہ کے متعلق صحیح فیصلہ اس

وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک دورِ گذشتہ کے واقعات یعنی حالیہ واقعہ کا پس منظر سامنے نہ ہو۔

مان لیجیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طلیق ہی ہیں اور یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ آپ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے

(البدایہ والنہایہ ص ۱۱۷ ج ۸)

اور مان لیجیے کہ یہ بات فطری طور پر کسی کو پسند نہیں ہوسکتی تھی کہ طلیق کو آگے بڑھا دیا جائے اور سابقین اولین کو پیچھے ہٹا دیا جائے۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۹)

تو یہ غلطی سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نہیں تھی وہ اس بارے میں صرف مقلد تھے۔ غلطی کے اصل مرتکب سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے کہ آپ نے ایک طلیق کو والیٔ دمشق بنایا اور مودودی صاحب کے نظریہ کے بموجب حضرت فاروقِ اعظمؓ نے صرف یہی غلطی نہیں کی تھی بلکہ ایک غلطی اور بھی کی تھی کہ پہلے والیٔ دمشق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان تھے۔ ان کی وفات ہوئی تو اسی خاندان بلکہ اسی گھر کے دوسرے ممبر کو یہاں کا والی بنا دیا۔ یعنی میراث جیسی شکل قائم کر دی۔

اس سے بڑھ کر ایک غلطی اور بھی کی کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس سے واپسی پر دمشق تشریف لے گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی شان و شوکت سے آپ کا استقبال کیا۔ (تلقاہ فی موکب عظیم)

(البدایۃ والنہایہ ص ۱۲۴ - ج ۸)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شاہانہ شان و شوکت پسند نہیں آئی۔ آپ نے اعتراض کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا اس سے حضرت فاروق لاجواب ضرور ہو گئے، مگر انشراح صدر کے ساتھ مطمئن نہیں ہوئے۔ ان تمام باتوں کے مشاہدہ کے باوجود آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے منصب پر قائم رکھا۔ نہ تنبیہ کی، اور نہ تبادلہ کیا۔

اور آپ لفظ طلیق "طلقا" کا تکلف ہی کیوں برتتے ہیں۔ صاف کہہ دیجیے کہ حضرت معاویہ اسی ہندہ کے بیٹے تھے جس نے جنگِ اُحد کے موقع پر سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا تھا پھر شہداء کے ناک، کان کاٹ کر ان کا ہار بنایا تھا اور سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبایا تھا۔

اور حضرتِ معاویہ اسی ابوسفیان کے بیٹے ہیں جو اسلام کے مقابلہ میں کفر کا علمبردار اور سید الانبیاء والمرسلین کے مقابلہ میں قریش کا سردارِ اعظم رہا تھا اور اسی عتبہ کے نواسے اور ولید کے بھانجے تھے، جو غزوۂ بدر میں سب سے پہلے میدان

جنگ میں نبرد آزما ہوئے تھے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ انہیں "طلقاء" کے متعلق اسی حدیث بلکہ اسی جملہ انتم الطلقاء سے پہلے لفظ کو سخن پروری نہ مانا جائے اور لسانِ رسالت سے صادر شدہ کلمات کو حقیقت اور حکمِ شریعت سمجھا جائے تو قطعاً جائز نہیں ہوگا کہ بحث و تنقید کے وقت ان حضرات کی حیثیت گھٹانے کے لیے طلیق ہونے کا طعنہ دیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا اذھبوا انتم الطلقاء "جاؤ تم سب آزاد ہو" (تم کو جنگ کے عام قاعدہ کے مطابق غلام نہیں بنایا جاتا) تو اس سے پہلے آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

اقول لکم کما قال یوسف لاخوتہ لا تثریب علیکم الیوم۔

"میں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا آج کوئی ملامت نہیں"

یہی ہندہ جنہوں نے حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا بارگاہِ رسالت میں عرض پرداز ہوئیں۔

"یارسول اللہ پشتِ زمین پر جتنے بھی اہلِ خبار (خاندان) تھے ان میں سے کسی کے بھی ذلیل ہونے کی مجھے ایسی تمنا اور آرزو نہیں رہا کرتی تھی جیسی میری تمنا اور آرزو تھی کہ آپ کے اہل بیت ذلیل و خوار ہوں۔ پھر آج حالت یہ ہے کہ پشتِ زمین پر بسنے والوں میں سے کسی کے بھی باعزت ہونے کی مجھے ایسی تمنا اور آرزو نہیں ہے جیسی تمنا اور آرزو یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت کی عزت ہو اور وہ باعظمت ہوں۔"

سیّد الانبیاء، رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید نہیں فرمائی بلکہ ارشاد یہ ہوا اور قسم کے ساتھ ارشاد ہوا۔

وایضاً والذی نفسی بیدہ (یہی حالت اپنی بھی ہے قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے)

(بخاری شریف ص ۵۳۹)

غور فرمائیے یہی معاویہ، ابوسفیان اور ہندہ جو کل تک بدترین دشمن تھے، رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر ارشاد فرما رہے ہیں کہ آپ کی تمنا ہے کہ ان کی عزت ہو، دنیا ان کی تعظیم کرے۔

یہ مکالمہ مصنوعی نہیں تھا، دونوں نے جو کچھ فرمایا عمل سے اسکی مکمل ترین تصدیق کی۔ اسلام لانے سے چند ہفتے بعد حنین کا معرکہ پیش آیا، حضرت ابوسفیانؓ نے اس میں شرکت کی۔ پھر کچھ دنوں بعد غزوۂ طائف میں شرکت کی اور ایک آنکھ قربان کر دی۔ جنگِ یرموک میں دوسری آنکھ بھی اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ (الاستیعاب)

جنگِ یرموک میں حضرت ابوسفیان جملہ اہل وعیال کے ساتھ شریکِ جہاد تھے۔ پورے لشکر کے قائد حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ تھے اور حضرت ابوسفیانؓ کے صاحبزادے یزید اور معاویہ الگ الگ لشکروں کی قیادت کر رہے تھے۔ اس جنگ میں عورتوں نے بھی بڑی ہمت سے حصہ لیا اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ حضرتِ حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی ہندہؓ پیش پیش تھیں۔ مجاہدین کو جوش دلاتیں اور فرماتی تھیں۔

عضدوا الغلفان بسیوفکم

ہاں بہادرو! اپنی تلواروں سے ان غیر مختون نامردوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردو۔ (فتوح البلدان۔ص ۱۴۱-۱۴۲)

دوسری طرف سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بارانِ شفقت موسلا دھار تھی (ایں طرفہ تماشہ بیں)

مکہ پر حملہ ہو رہا تھا تو اسی ابوسفیان کو یہ شرف بخشا گیا کہ اعلان کیا گیا کہ جو ابوسفیان کی حویلی میں پہنچ جائے اس کو امن۔

(مسلم شریف۔ص ۱۰۴ - ج ۲ - باب فتح مکہ)

غزوۂ حنین کے بعد اموالِ غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو تمام خاندانوں میں سب سے زیادہ اسی خاندان کو نوازا اور اسی کو عزت بخشی۔

صفوان بن امیہ، قیس بن عدی، اقرع بن حابس جیسے سردارانِ قریش کو جن کی تعداد تقریباً دس ہے۔ سو سو اونٹ دیئے۔ پچیس تیس سردارانِ قبائل کو پچاس پچاس اونٹ دیئے، لیکن حضرت ابوسفیان اور ان کے صاحبزادوں (حضرت یزید اور حضرت معاویہ) کو تین سو اونٹ اور ان کے علاوہ بارہ سو اوقیے چاندی بخشی (جس کا وزن پندرہ سیر سے زیادہ ہوتا ہے)

(سیرت ابن ہشام وطبقات ابن سعد وغیرہما)

مودودی صاحب کی یہ بات غلط نہیں ہے کہ

"فطری طور پر یہ بات پسند نہیں آسکتی تھی کہ سابقین اوّلین جنہوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا پیچھے ہٹا دیئے جائیں۔

(خلافت وملوکیت۔ص ۱۰۹)

مگر اس موقع پر یہ فطری ناپسندیدگی امتحان کا پرچہ بن گئی تھی جن کا ایمان کامل تھا وہ کامیاب ہوئے اور جن کے دلوں میں نفاق تھا وہ راندۂ درگاہ ہو گئے۔

حضراتِ انصار کے کچھ نوجوانوں کی زبان پر آیا کہ انعامات ان کو دیئے جا رہے ہیں جن کے خون کے قطرے ہماری تلواروں سے اب تک ٹپک رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ انصار کو طلب فرما کر دریافت فرمایا۔ حضراتِ انصار نے عرض کیا کہ ہم میں سے کسی سنجیدہ شخص نے یہ نہیں کہا کچھ ناسمجھ نوخیز ہیں جن کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میں نے کچھ غیر معمولی عطیات دیئے ہیں، مگر میرا مقصد یہ ہے کہ وہ اسلام سے مانوس ہو جائیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو اس نعمتِ عظمیٰ کی طرف توجہ دلائی جو پوری نوع انسان میں حضراتِ انصار کے لیے مخصوص ہوئی تھی ارشاد ہوا:۔

"کیا تمہاری خوشی کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تم رسول اللہ کو لے کر اپنے گھروں کو واپس ہو، جبکہ لوگ اونٹوں اور بھیڑوں اور بکریوں کے گلے لے جا رہے ہوں۔"

فوراً ان عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، شیدایانِ ملّت کی آوازیں بلند ہوئیں۔

بلیٰ یا رسول اللہ قد رضینا — بیشک یا رسول اللہ ہماری خوشی یہی ہے۔ ہم اسی پر راضی ہیں ہم کو صرف رسول اللہ درکار ہیں۔

حضراتِ انصار کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یہاں تک کہ داڑھیاں تر ہو گئیں۔

(بخاری شریف۔ ص ۴۴۵ و ۶۲۱ وغیرہ و فتح الباری)

یہ تھے پاکبازانِ با اخلاص، پختہ مغزانِ عشق جو سربلندیٔ اسلام کے لیے اپنے آپ کو فنا کر چکے تھے۔ یہاں سربلندیٔ اسلام اسی میں تھی کہ ان کو پیچھے رکھا جائے اور ان کو انعامات سے نوازا جائے جو اب تک نورِ ایمان سے محروم تھے جن کے دِلوں میں اب تک عشق مولیٰ اور حب رسول کی چنگاریاں نہیں سلگی تھیں ان عطیات کو عشق و محبت کی چنگاریاں بنانا مقصود تھا۔

ان بزرگوں نے محبوب رب العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اقدام کو نہایت مُبارک اور مسعود سمجھا کہ اس سے بیگانے یگانہ اور ناآشنایانِ عشق آشنا بن جائیں گے۔

لیکن جن کے دِلوں میں نورِ ایمان کے بجائے نفاق کی ظلمت بھری ہوئی تھی جن کے پاس دعوے بہت کچھ تھے، مگر عمل کا نام و نشان نہیں تھا انہوں نے اس کڑوے انداز سے تنقید کی کہ زبانِ مبارک سے صادر ہوا کہ۔

"اللہ تعالیٰ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ انکو اس سے بھی زیادہ ایذا دی گئی اور وہ صبر کرتے رہے۔

(بخاری شریف ص ۶۲۱ و ۴۴۶ وغیرہما)

ایک موقع پر اسی طرح کی تنقید ذوالخویصرہ نے بھی کی تھی کہ یہ سراسر انصاف کے خلاف ہے۔ ان سے زیادہ ہم مستحق ہیں۔ یارسول اللہ خدا کا خوف کیجیے۔

اس کے گستاخانہ اعتراض پر سیدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو جوش آگیا، عرض کیا یارسول اللہ مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں۔ ارشاد ہوا اسکی اجازت نہیں۔ یہ نماز پڑھتا ہے اور مجھے اس کا حکم نہیں ہے کہ میں لوگوں کے دلوں کو چیر کر دیکھوں۔

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی، البتہ یہ فرمایا کہ اس کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والے وہ ہوں گے جو اتنی نمازیں پڑھیں گے اور اس طرح تلاوت کیا کریں گے کہ تم ان کے مقابلہ میں اپنی نمازوں اور اپنی تلاوت کو ہیچ سمجھو گے، مگر ان کی تلاوت نوک زبان تک ہوگی۔ دِلوں کے سنگلاخ اسی طرح تاریک رہیں گے۔ جن میں نورِ ایمان کی کرن تک نہ ہوگی۔ (بخاری شریف ص ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۷۳ وغیرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی پوری ہوئی اور یہ ذوالخویصرہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خوارج کی قیادت کرتے ہوئے مارا گیا۔ (بخاری شریف)

پھر یہ انعامات وقتی نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب یہ فرمادیا گیا تھا۔ "لا تثریب علیکم الیوم" آج کوئی ملامت نہیں، سب کچھ فراموش۔ تو اب آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ان کے طبعی جوہروں اور فطری صلاحیتوں پر تھی۔ "ہر کسے را بہر کارے ساختند" کا رمز شناس آپ سے زیادہ کون ہوسکتا تھا۔ خود آپ کا ارشاد ہے۔ "الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ" (صحاح) جس طرح سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں انسان بھی (مختلف صلاحیتوں کے) معدن اور کان ہوتے ہیں۔

چنانچہ انہیں طلقاء کو جو کل تک اسلام کے حق میں تخریب کار تھے اب نظامِ اسلامی کے مختلف شعبوں کا ذمہ دار اور حکومت اسلام کا کارپرداز بنادیا۔

بیت اللہ شریف اور حرمِ محترم کی ذمہ داریاں ان کو سپرد کیں جو خاندانی طور پر ذمہ دار ہوتے چلے آرہے تھے۔ پورے مکہ کے نظم ونسق کا ذمہ دار حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ جو جوہر اعلیٰ رکھتے تھے اگرچہ ابھی عمر مبارک کے بیس دور بھی پورے نہیں کیے تھے۔ (زادالمعاد۔ ص ۳۲ ج ۱ والاستیعاب ص ۱۵۳)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نجران کا امیر (الاستیعاب۔ص ۷۱۰۔ زادالمعاد ص ۳۲۔ ج ۱) ان کے صاحبزادے (حضرت یزید بن ابی سفیان) کو "بنی فراس" کا عامل مقرر فرمادیا۔ (الاصابہ ص ۳۴۱۔ ج ۶) ابوجہل کے فرزند (سیدنا عکرمہ بن ابی جہل) کو قبیلہ ہوازن کا عامل (الاستیعاب۔ص ۵۲۷) حضرت عثمان بن ابی العاص کو طائف کا (الاستیعاب ص ۴۹۶) حضرت ابان بن سعید بن العاص کو بحرین کا۔ (الاستیعاب۔ص ۳۵) امیر مقرر فرمایا (وغیر ذالک) رضی اللہ عنہم اجمعین۔

بہرحال ایک طرف فطری طور پر پسند و ناپسند ہے جس کا سہارا مودودی صاحب لے رہے ہیں۔ دوسری طرف تمام غلط سہاروں اور بہانوں کو ختم کر دینے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل اور طریقہ کار (پالیسی) ہے۔ سوال یہ ہے کہ خلیفۂ راشد پر کیا واجب تھا۔ فطری طور پر پسند و ناپسند کی منطق کی تقلید واجب تھی یا آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل خلیفہ راشد کا دستورِ عمل بن سکتا تھا۔

پاسِ قرابت

مان لیجیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رشتہ داروں کی رعایت کی، مگر کیا اسی جذبہ کی بناء پر جو ہمارے اندر ہوتا ہے جو بسا اوقات ہمیں جاہلانہ عصبیت پر آمادہ کیا کرتا ہے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

واقعہ یہ ہے۔ اگر ہم اپنے جذبات پر قیاس کریں اور سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نفس مبارک میں اپنے جذبات کو اچھلتا کودتا دیکھنا چاہیں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جیسے ہی بحیثیتِ خلیفہ اختیارات حاصل ہوئے تھے ان سب رشتہ داروں کو گولی کا نشانہ بناتے یا حبس دوام کی سزا دیتے جن کو انہوں نے بقول مودودی صاحب غیر معمولی طور پر نوازا۔ یہ رشتہ دار وہی تو تھے کہ جیسے ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ان سب کے خون سفید پڑ گئے تھے۔ مجبت کا نام و نشاں ختم ہو گیا تھا زیادہ سے زیادہ ایذا پہنچانا اور پریشان کرنا ان کے کفر اندوز دلوں کا جذبہ بن گیا تھا۔

مروان چچا کا بیٹا تھا، مگر عم محترم کا سلوک کیا رہا۔

حضرت عثمان ادھیڑ عمر کے ایک شریف انسان، گھر کے رئیس، شہر میں باعزت، علم و فضل میں مشہور۔ آپکے چچا حکم بن العاص کو جب معلوم ہوا کہ عثمان مسلمان ہو گئے ہیں تو ان کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ دیا اور قسم کھالی کہ جب تک اسلام سے باز نہیں آؤ گے تمہیں اسی طرح جکڑ بند رہنا ہوگا۔ (طبقات ابن سعد۔ص ۳۸۔ جلد ۳)

یہ ایذا رسانی کی ابتدا تھی، انتہا یہ تھی کہ تمام ریاست، دولتمندی اور خوشحالی کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں اطمینان نصیب نہیں ہوا، مکہ معظمہ کی زندگی دوبھر ہوگئی، چنانچہ سب سے پہلا کھیپ جس نے کفار کی مصیبتوں سے تنگ آکر مکہ چھوڑا اور حبشہ میں جاکر پناہ لی اس میں سرفہرست سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہے۔

کچھ عرصہ بعد توقع ہوئی کہ شاید رشتہ داروں کے دل کچھ نرم ہوگئے ہوں، آپ اور آپ کے رفقاء حبشہ سے واپس آئے، مگر اب ایذارسانی کے کانٹے پہلے سے کہیں زیادہ تیز تھے اور خطرات کا جنگل پہلے سے زیادہ بھیانک ہوچکا تھا۔ مجبوراً آپ کو دوبارہ حبشہ واپس ہونا پڑا۔

ان ظالم رشتہ داروں کے ساتھ رعایت ومراعات نفس کشی تو ہوسکتی ہے خویش پروری نہیں ہوسکتی، مگر مودودی صاحب کو حقائق سے کیا واسطہ۔ انہیں تو الزام اور طعن کے لیے بہانہ کی تلاش رہتی ہے۔

ہُنر بچشمِ عداوت بزرگ تر عیبے است

سیاستِ نبوی

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ طلقاء جن کو فتح مکہ کے موقع پر معافی دی گئی ایک طاقت تھے۔ یہی طاقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوتِ اسلام کا مقابلہ کرتی رہی۔ یہ ہوسکتا تھا کہ اس طاقت کا قلع قمع کردینا نصب العین بنایا جاتا، لیکن اس طرح قوم کی ایک طاقت ختم ہوجاتی اور ظاہر ہے اس کے ختم کر دینے میں اپنی طاقت بھی صرف کردینی پڑتی۔ یعنی قومی نقطۂ نظر سے دوہرا نقصان برداشت کرنا پڑتا۔ ایک طاقت کا خاتمہ اور اپنی طاقت کا صَرف بیجا۔ ممکن ہے کوئی کشور کشا، ملک گیر اس پالیسی کو اختیار کرلیتا، لیکن وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی پوری طاقت اس میں صرف کرتا تھا کہ دوزخ کی طرف دوڑنے والوں کی کمریں[1] پکڑ پکڑ کھینچے اور راہ جہنم سے ان کو الگ کرے۔ کب ممکن تھا کہ وہ ان طلقاء کو اپنے سے متنفر کرکے جہنم کے راستہ پر لگادے۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشفقانہ تدبر تھا کہ اس طاقت کو برباد کرنے کے بجائے اس کو کام پر لگایا اور خود مودودی صاحب اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ یہ لوگ جہاں بھی رہے انہوں نے اعلیٰ درجہ کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا اور ان کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۰۸)

---

[1] انا اخذ بحجزکم عن النار وانتم تقحمون فیھا۔ (بخاری شریف)

بنو امیہ کا تعلق شام سے

قریش کا تعلق شام سے بہت پُرانا تھا۔ قُصَیٰ جس نے قریش کی منتشر طاقت کو متجمع کر کے بنو خزاعہ کو مکہ سے نکالا تھا اور مکہ میں از سرِ نو قریش کو آباد کیا تھا اس کی پرورش اس کی نانہال بنی قضاعہ میں ہوئی تھی۔ یہ قبیلہ شام کی طرف آباد تھا۔ پھر جب قصی نے بنو خزاعہ کا مقابلہ کیا تو کہتے ہیں کہ اسمیں شہنشاہِ روم کی مدد بھی شامل تھی۔ (معارف ابن قتیبہ)

قُصَیٰ کے پوتے عبد شمس کے متعلق تو ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں کان رجلا سفارا قلما یقیم بمکۃ۔ سفر کرنے کا بہت عادی تھا مکہ میں اس کا قیام بہت ہی کم ہوتا تھا، لیکن اس کے بیٹے حضرت ابوسفیان کے دادا امیہ کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ وُہ ایک مرتبہ ہاشم کے مقابلہ میں ہار گیا تو شام چلا گیا تھا اور دس سال وہاں رہا۔ (کامل لابن اثیر ج ۲)

مکہ میں جمہوری طرز کا جو ایک نظام قصی کے زمانے سے قائم تھا اس میں فوجی قیادت کا منصب عبد شمس اور اس کے بعد اس کے لڑکے امیہ کے سپرد تھا اس لیے ان کا تعلق مکہ معظمہ سے منقطع تو نہیں ہوا، مگر چونکہ امیہ دولت مند تاجر بھی تھا اس لیے دس سالہ قیام کے علاوہ بھی امیہ کا تعلق شام سے رہا۔

امیہ کے بعد اس کا بیٹا "حرب" مشغلۂ تجارت کے ساتھ اس منصب کا ذمہ دار رہا۔ منصبِ قیادت کو ہم وزارتِ جنگ سے تعبیر کر سکتے ہیں، کیونکہ جنگ کے موقع پر ہی ان کو فرائضِ قیادت انجام دینے پڑتے تھے۔ قریش کی مشہور لڑائیاں جو ذات نکیف، جنگ عکاظ، فجار اول، فجار دوم کے ناموں سے مشہور ہیں۔ یہ سب حرب بن امیہ کی قیادت میں لڑی گئیں۔

(تاریخ مکہ ازرقی ص ۱۱۵ - ج ۱) (مطابع دار الثقافہ مکہ مکرمہ)

حرب کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان ان خاندانی خصوصیتوں میں اپنے باپ کا جانشین تھا۔ وہ تاجر بھی تھا اور قائدِ حرب بھی۔ ایک ہزار اونٹوں کا عظیم الشان تجارتی قافلہ لے کر شام گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قافلہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا یہ ابوسفیان کی ہوشیاری تھی کہ اس نے راستہ بدل کر قافلہ کو صحیح سالم مکہ پہنچا دیا اور قریش کو مشتعل کر کے مسلمانوں کے مقابلہ پر کھڑا کر دیا۔ جس سے غزوۂ بدر کبریٰ پیش آیا۔

غزوہ بدر نتیجہ کے لحاظ سے قریش کے حق میں پیش خیمۂ فنا تھا، لیکن ابوسفیان نے جس ہوشیاری سے کام لیا اس نے ابوسفیان کو قریش مکہ کا مسلمہ لیڈر بنا دیا۔ چند سال تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتا رہا۔ غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب میں قریش کا قائد ابوسفیان ہی تھا، لیکن صلح حدیبیہ کے بعد جیسے ہی کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو ابوسفیان پھر شام پہنچ گیا۔ صلح

حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہنشاہ روم ہرقل کے نام اپنا دعوتی فرمان بھیجا اور حضرت دحیہ اس فرمان کو لیکر ایلیا پہنچے جہاں شہنشاہِ روم مقیم تھا تو ان ایام میں ابوسفیان ایلیا پہنچا ہوا تھا۔ (بخاری شریف۔ ص ۶ وغیرہ)

اہل مکہ خصوصاً اولادِ امیہ کے یہی تعلقات تھے جن کی بناء پر شام کی جنگی مہمات میں ان حضرات سے خاص طور پر کام لیا گیا۔ طبری کی روایت ہے کہ ۱۲ھ میں جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے شام کی مہم کے لیے فوجیں مہیا کیں۔ خاص خاص حضرات کو سپہ سالار بنا کر فوجوں کو روانہ کیا۔

سب سے پہلا شخص جس کو امیر الافواج بنا کر شام بھیجا۔ وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے خلفِ رشید یزید بن ابی سفیان تھے (رضی اللہ عنہ)

کان اول الامراء الذین خرجوا الی الشام وخرجوا فی سبعۃ الاف (طبری۔ ص ۲۸۔ ج ۴)

جو حضرات عشر وصدقات وصول کرنے پر مامور تھے (مقامی امراء) ان کو بھی جہاد کی دعوت دی۔ اس دعوت کو سب نے ہی قبول کیا اور اپنی اپنی جگہ نائب مقرر کرکے مجاہدین میں شریک ہوگئے۔ اسی لیے ان کی فوج کو جیش البدال کہا گیا۔

(طبری۔ ص ۲۹۔ ج ۴)

خاص خاص حضرات کو خاص طور پر دعوت دی۔ مثلاً حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے جو خدمت انجام دے رہے ہیں وہ بھی بہتر ہے، مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ایسی خدمت سپرد کروں جو دین اور دنیا کے لحاظ سے اس سے بہتر ہو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

میں اسلام کا ایک تیر ہوں، آپ کو اللہ تعالےٰ نے تیر انداز بنایا ہے۔ آپ تیر جمع بھی کرتے ہیں اور پھینکتے بھی ہیں۔ جو نشانہ سب سے زیادہ سخت، سب سے زیادہ خطرناک اور عند اللہ سب سے افضل ہو، اس تیر کو (عمرو بن العاص کو) اسی نشانہ پر مار دیجیے۔

حضرت ولید بن عقبہ کو بھی جو قضاعہ کے محاصل وصول کرنے پر مامور تھے۔ (طبری۔ ص ۲۹۔ ج ۴) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی مضمون کا خط تحریر فرمایا۔ ان کا جواب بھی یہی آیا کہ وہ جہاد میں قربان ہونے کو اور موجودہ خدمت کے مقابلہ میں محاذ پر جانے کو بہتر اور افضل سمجھتے ہیں۔ فاجابہ بایثار الجہاد (طبری۔ ص ۲۹۔ ج ۴)

جب جوابات آگئے تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر الافواج بنا کر فلسطین کی طرف روانہ کیا۔

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو امیر الافواج بنا کر اردن اور ایک بہت بڑے لشکر کا امیر حضرت یزید بن ابی سفیان کو بنایا اور حمص کی طرف ان کو روانہ کیا۔ اس لشکر میں حضرت سہیل بن عمرو جیسے مکہ کے ممتاز حضرات اور ان کے علاوہ وہ بہت سے مجاہدین تھے جنہوں نے دعوتِ جہاد پر لبیک کہا تھا (بقول علامہ طبری جمہور من انتدب لہ) جب اس لشکر عظیم کو رخصت کیا تو بہت دُور تک حضرت ابو بکر اس کے ساتھ پیدل تشریف لے گئے۔ (طبری۔ ص ۳۰۔ ج ۴)

اس کے بعد اور مجاہدین کا لشکر تیار ہو گیا تو سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ کو ان کا امیر بنایا اور حکم دیا کہ حضرت یزید کی مدد کے لیے پہنچ جائیں (طبری۔ ص ۳۰۔ ج ۴)

فتوحاتِ شام کی تاریخ بیان کرنی مقصود نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مرتدین وغیرہ کے اندرونی جھگڑوں سے فراغت پالی تو شام کی طرف توجہ فرمائی، جہاں غزوۂ موتہ (۸ھ) سے جنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ شرکتِ جہاد کے لیے اگرچہ آپ کی دعوت عام تھی، مگر بڑھ چڑھ کر حصّہ انہی اہل مکہ نے لیا جو طلقاء تھے۔ گویا اسطرح ان بزرگوں نے اپنی سابق کوتاہیوں کی تلافی کی۔

اہلِ مکہ میں حضرت ابو سفیان اور ان کے متعلقین بھی تھے جو آخر تک قریش مکہ کے قائد اور سربراہ رہے تھے۔ ان کی اس قائدانہ حیثیت کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور یہ حضرت ابو سفیان اور آل سفیان کی خوش نصیبی تھی کہ انہوں نے بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا۔

طرفین کے اسی احساس کا نتیجہ تھا کہ حضرت یزید بن ابی سفیان آگے آئے اور سب سے پہلے انہیں کو جند عظیم کا امیر بنا کر روانہ کیا گیا۔

روانگی کی شان عجیب تھی۔ حضرت یزید رضی اللہ عنہ سوار تھے اور جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پیدل ساتھ چل رہے تھے۔ حضرت یزید برداشت نہ کر سکے تو عرض کیا کہ یا خلیفۂ رسول آپ بھی سوار ہو جائیے ورنہ مجھے اپنے ساتھ پیدل چلنے کی اجازت دیجیے۔ فرمایا نہ تمہیں اترنے کی ضرورت نہ میں سوار ہوں گا۔ میں جو قدم رکھ رہا ہوں اس میں ثواب کی امید لگائے ہوئے ہوں۔ (مؤطا امام مالکؒ ص ۱۷۶۔ باب النہی عن قتال النساء)

چند ماہ تک چھوٹی چھوٹی لڑائیوں نے جنگِ یرموک تک پہنچا دیا۔ جو تاریخ کی مشہور جنگ اور اس علاقہ کا سب سے بڑا فیصلہ کن معرکہ تھا۔ جس نے رومی شہنشاہیت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلیے شام کے علاقہ سے محروم کر دیا۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے میدانِ جنگ میں مقابلہ کے لیے فوج کی ترتیب اس طرح کی تھی کہ فوج کے جو پانچ حصے مشہور ہیں ۱ میمنہ ۲ میسرہ ۳ قلب ۴ عقب ۵ مقدمہ ، ان میں سے ہر ایک حصہ کو کئی کئی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہ ٹکڑیاں موجودہ اصطلاحات کے لحاظ سے شاید کمپنیاں کہلائیں۔ اس وقت انکو کردوس کہا گیا تھا۔ ان کی تعداد ۳۶ ہو گئی تھی، ہر کردوس میں کم و بیش ایک ہزار مجاہدین تھے، ہر ایک کردوس کا ایک افسر تھا اور کئی کئی کردوسوں پر ایک افسر اعلیٰ۔ حضرتِ خالد رضی اللہ عنہ قائدِ اعظم تھے۔ ان کردوسوں کے افسروں میں زیادہ تعداد انہیں طلقاء کی تھی۔ مثلاً ابوجہل کے فرزند حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ۔ ابوجہل کے پوتے عمرو بن عکرمہ، امیہ بن خلف کے فرزند حضرت صفوان بن امیہ (رئیس مکہ) عتبہ بن ربیع کے ایک فرزند ہاشم بن عتبہ (رئیس مکہ) سہیل بن عمرو، خالد بن سعید، ہبار بن سفیان بن عبدالاسد المخزومی۔ ایک کردوس کے افسر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن بھی تھے۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۱۸ سال تھی۔ (طبری ص ۳۳، ۳۴ - ج ۴)

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس محاذ پر پہلے سے کام کر رہے تھے، مگر جنگ یرموک میں خود حضرت ابوسفیان بھی شریک ہوئے اور اپنے تمام ہی اہل بیت کو لے آئے۔

طبری کی روایت ہے کہ جنگِ یرموک میں عورتیں بھی جہاد میں شریک ہوئیں اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ ان میں حضرت ابوسفیان کی لڑکی جویریہ بھی شامل تھیں۔ جویریہ کے شوہر (حضرت ابوسفیان کے داماد) بھی اس جہاد میں شریک تھے۔ (طبری - ص ۳۶ - ج ۴)

پہلے گزر چکا ہے کہ زوجۂ ابوسفیان حضرت ہندہ جو غزوۂ احد میں ترانے گا گا کر قریش کو جوش دلا رہی تھیں یہاں اس کے کفارہ کے طور پر مسلمانوں کو جوش دلا رہی تھیں کہ ان غیر مختون نامردوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

(فتوح البلدان ص ۱۴۱ و ۱۴۲)

خود حضرت ابوسفیان کردوسوں (فوجی کمپنیوں پر چکر لگا رہے تھے) اور جگہ جگہ تقریریں کر رہے تھے۔

اللہ۔ اللہ۔ تم محافظین عرب اور مددگارانِ اسلام ہو، وہ محافظین روم اور مددگارانِ شرک ہیں۔ قوموں کی

تاریخوں میں جو بڑے بڑے معرکے پیش آئے ہیں۔ یہ معرکہ ایسا ہی بڑا معرکہ ہے۔ یہ فیصلہ کن معرکہ ہے۔ اے اللہ اپنے بندوں پر اپنی نصرت نازل فرما۔ (طبری۔ص ۳۴۔ ج ۴، فتوح البلدان۔ص ۱۴۲)

آپ گشت کر رہے تھے کہ ایک تیر آپ کی آنکھ میں لگا اور اس طرح گڑ گیا کہ خود حضرت ابوسفیان نہیں نکال سکے۔ حضرت ابوحثمہ نے اسکو نکالا۔ (طبری۔ص ۳۶۔ ج ۴)

معترضہ (۱) پہلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے حضرت عمر بن الخطاب نے ربیعہ، مضر، اور بنی اسد وغیرہ قبائل عرب کو دعوت دی تھی اور فرمایا تھا میں ملوکِ عرب سے ملوکِ عجم پر ضرب لگاؤنگا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کوئی اس طرح کا جملہ ہمارے سامنے نہیں ہے، لیکن ان کا عمل ہمارے سامنے ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اہل شام پر اہل مکہ اور ان کے حلیفوں کے ذریعہ ضرب لگائی۔ اہلِ مکہ نے دادِ شجاعت دی۔ تین ہزار مجاہدین اس جنگ میں شہید ہوئے۔ ان میں سے جن کے نام حضراتِ مؤرخین محفوظ رکھ سکے وہ مکی ہی ہیں۔ مثلاً عکرمہ خلف ابوجہل۔ عمرو بن عکرمہ (نبیرۂ ابوجہل) سلمہ بن ہشام (برادر ابوجہل) عمرو بن سعید، ابان بن سعید، خالد بن سعید، ہبار بن سفیان بن عبدالاسد المخزومی، ہشام بن العاصی۔ طفیل بن عمیر بن وہب، ہبار بن سفیان (یہ سب مکہ معظمہ کے ممتاز حضرات میں سے تھے)

(۲) ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ اس وقت تک حضرت ابوسفیان قریش کے قائدِ اعظم تھے۔ یہی امیر الحرب ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما کر کہ ابوسفیان کا مکان بھی پناہ گاہ ہے جو وہاں پہنچ جائے گا۔ مامون رہے گا۔ ابوسفیان کو پھر ایک طرح کی قائدانہ حیثیت عطا فرمادی۔

جنگِ یرموک میں اگرچہ ابوسفیان امیر الحرب نہیں تھے، مگر جس ولولہ کے ساتھ خود ابوسفیان ان کی اہلیہ محترمہ لڑکوں اور لڑکیوں نے اس جہاد میں شرکت کی۔ اس نے ابوسفیان اور ان کے ہر دو فرزند یزید اور معاویہ کی نمایاں حیثیت کو اور مستحکم کردیا۔

(۳) مودودی صاحب یہ الزام امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سر تھوپتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ کو اس صوبہ کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھا کہ یہاں انہوں نے اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں۔

(خلافت وملوکیت ص ۱۱۵)

مگر یہ مودودی صاحب کی کوتاہ بینی، تاریخ سے ناواقفیت اور سراسر لاعلمی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی جڑیں اسوقت

جم چکی تھیں جب غزوۂ یرموک اور اس سے پہلے اور بعد کی لڑائیوں میں ان حضرات نے قوت ہمت اور حسنِ تدبر سے کام کیا تھا۔

(۴) اس محاذ پر جملہ افواجِ اسلام کے قائدِ اعظم حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ تھے جن کی جنگی مہارت اور غیر معمولی کامیابیوں نے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ دشمن طاقتوں کو بھی حیرت زدہ اور خوف زدہ کر رکھا تھا۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی محتاط طبیعت کو انکی کچھ باتیں ناگوار تھیں۔ تو جیسے ہی زمامِ خلافت حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو باوجودیکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہیبت انگیز معرکوں میں مصروف تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے پہلا کام یہی کیا کہ انکو قیادتِ عظمیٰ کے منصب جلیل سے معزول کر کے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو افسرِ اعلیٰ اور قائدِ اعظم بنا دیا۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ جو قدیم الاسلام تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکو یمن کے ایک علاقہ کا والی بنا رکھا تھا۔ پھر جب علاقۂ شام میں معرکے شروع ہوئے تو انہوں نے قائدانہ حیثیت سے جہاد میں شرکت کی۔ ذی المروہ وغیرہ کی جنگ انہی کی قیادت میں لڑی گئی، لیکن ان کی بھی کچھ باتوں سے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اختلاف تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اصرار کر کے انکو عہدہ سے معزول کرایا۔ (طبری۔ ص ۲۸ و ۳۰ - ج ۴)

لیکن سیدنا حضرت یزید اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکمل اعتماد حاصل رہا۔

چنانچہ دمشق فتح ہوا۔ تو اس کے سب سے پہلے امیر حضرت یزید بن ابی سفیان بنائے گئے (طبری۔ ص ۵۶ - ج ۴)

حضرت یزید تقریباً چھ سال تک امیر کی حیثیت سے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔ ان کے اعلیٰ کردار اور حسن اخلاق کی بناء پر انکو "یزید الخیر" کہا جاتا تھا۔ طاعون پھیلا۔ اس میں حضرت یزیدؓ کی وفات ہو گئی تو سیدنا ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو گورنر بنا دیا۔ (الاستیعاب۔ ص ۲۶۱) یعنی بھائی کی جگہ بھائی کو جو ابو سفیان کے فرزند دوم تھے۔

ہمارے یہاں ٹیکسٹائل ملز کے سپیئر مارپٹ اور ہر قسم کے سپرنگ تیار ہوتے ہیں
پاکستان سپرنگ مینوفیکچرنگ کمپنی
برانڈرتھ روڈ، رام گلی نمبر ۱، لاہور: فون 66065

احسان دانش

نعت

یہ جو قرآنِ مبیں ہے رحمۃ للعالمینؐ
تیری عظمت کا امیں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

تیری معصومی کا شاہد، تیری عظمت کا گواہ
خاص جبریلِ امیں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

ایک گلدستہ ترے اوصاف کا قرآنِ پاک
اور تو شرحِ مبیں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

دو جہاں کے راز تیری فکر پر ہیں بے نقاب
تو چراغِ عقل و دیں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

تیرا جلوہ، تیری ضو، تیرا تقدس، تیری ذات
حاصلِ علم و یقیں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

تو ہے ہر پہلو سے رحمت، بزمِ عالم کے لیے
تو سراپا دلنشیں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

تو حسینوں کا حسیں ہے، تو جمیلوں کا جمیل
تو امینوں کا امیں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

تیرا کوچہ، تیرا در، تیرا مدینہ، تیری راہ
رشکِ فردوسِ بریں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

غایتِ معراج ہے اللہ کا اسرا خاص
آسماں تیری زمیں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

عرش پر جا کر بھی امت ہی رہی پیشِ کلام
آفریں صد آفریں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

دل تو کہتا ہے کہ تیری شان کے شایاں ہو نعت
نطق کو یارا نہیں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

فکرِ دانش ہو کہ بزمِ آب و گل کی رونقیں
تیرا ثانی ہی نہیں ہے، رحمۃ للعالمینؐ

اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ

انوارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرۃ مولانا بشیر احمد صاحب پسروری مدظلہٗ خلیفۂ مجاز حضرۃ لاہوریؒ

حضرت عامر بن شہر ہمدانی رض

اسود عنسی نے جب نبوّت کا دعوےٰ کیا اور اسلامی فوج اس کے مقابلے کیلیے پہنچی تو سب سے پہلے اسود جھوٹے نبی کی فوج پر انہوں نے حملہ کیا۔ آنحضرتؐ نے انہیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ یہ نجاشی کے دربار میں بھی پہنچے تھے۔ ان کے سامنے نجاشی نے حضرت عیسٰےؑ کی کتاب انجیل میں سے ایک مضمون پڑھ کر سنایا۔ مضمون یہ تھا۔ ان اللعنۃ تکون فی الارض اذا کان امراءھا الصبیان

ترجمہ: جب زمین میں نوعمر، نوخیز، ناتجربہ کار، آوارہ مزاج نوجوان کی حکومت ہو تو خدا کی رحمت سے زمین والے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ (ص ١٤ اصابہ - ج ٣)

حضرت عمرو بن محصنؓ

یہ صحابی انصاری ہیں فرماتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے قیامت کی تین علامتیں بیان فرماتے ہوئے فرمایا۔ جب قیامت قریب آئے گی تو:

(١) برسات زیادہ اور پیداوار کم ہوگی۔ (٢) قرآن پاک کے قاری بہت زیادہ اور محقق علماء کرام اور صاحبِ علم و فضل بہت کم ہوں گے (٣) حکمران زیادہ ہوں گے اور اپنے فرائض کو عدل و انصاف اور امانت کے ساتھ ادا کرنے والے بہت کم ہی ہوں گے۔

غربت اور افلاس کی انتہا

حضرت عمران بن ملحان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک دفعہ ہمارے قبائل میں مخالفین کے خوف سے بھگدڑ کی نوبت آئی۔ اسی بھاگ دوڑ میں میں نے تھوڑے سے جَو لیکر پتھروں سے کوٹ کر باریک کر لئے اور ایک اونٹ کی رگ کاٹ کر خون نکال کر جَو کے آٹے میں ملا کر پکایا۔ ٹھنڈا کر کے خوب مزے سے کھایا۔ یہی وہ خوراک ہے جو میں نے بڑے مزے سے کھائی تھی۔ (استیعاب ص ۲۴)

پوچھا گیا کہ خون کا مزہ کیسا تھا۔ میں نے کہا میٹھا تھا۔ بُت پرستی کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنے ریوڑ میں خوبصورت بھیڑ بکری وغیرہ کی پوجا پاٹ شروع کر دیتے تھے۔ اگر اس کو بھیڑیا اٹھا لے جاتا تو کوئی اور اس کی جگہ معبود بنا لیتے اور اگر پہاڑوں میں کوئی خوبصورت پتھر مل جاتا تو اس کی پُوجا شروع کر دیتے تھے۔ اور اگر پہلے پتھر کے بعد کوئی خوبصورت پتھر مل جاتا تو اسکو چھوڑ کر دوسرے کو معبود بنا لیتے تھے۔ میں اس زمانے میں اونٹ چرایا کرتا تھا۔ میں ابھی بے ریش جوان تھا۔ اللہ تعالےٰ نے توفیق بخشی اور میں مشرف باسلام ہوا۔ حضرت عمران نے ایک سو بیس برس سے زیادہ عمر پائی۔ ہشام بن عبدالملک کی خلافت کے زمانہ میں ۱۰۵ ہجری میں وفات پائی۔ غالباً حضرت حسن بصری نے ان کا جنازہ پڑھایا۔ (استیعاب ص ۲۴)

حضرت عمیر بن وہب رضؓ

یہ قرشی ہیں۔ جنگ بدر کے بعد قریش مکہ انتہائی شرمندگی اور رسوائی کے ساتھ ہمیشہ بے حد پریشان رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ عمیر اور صفوان بن امیہ دونوں شہر کے باہر پہاڑوں کے درمیان اکٹھے بیٹھے تھے کہ صفوان نے کہا کہ بدر کی جنگ کے بعد زندگی کا مزہ نہیں رہا۔ عمیر نے کہا بات ٹھیک ہے، لیکن غربت اور افلاس کا بُرا ہو۔ اگر میرے سر پہ قرضہ کا بوجھ نہ ہوتا۔ جس کے ادا کرنے سے میں عاجز ہو رہا ہوں اور میرے گھر میں غربت اور افلاس نہ ہوتا تو میں مدینہ میں جا کر محمد کو قتل کر ڈالتا۔ مدینہ میں پہنچنے کے لیے میرے پاس عذر اور بہانہ بھی ہے۔ میرا لڑکا بدر کے قیدیوں میں مسلمانوں کے ہاں اسیر ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ میں بیٹے کی ملاقات کے لیے آیا ہوں اور اس طرح قتل کرنے کا موقع بھی مل سکتا ہے۔ صفوان نے بہت خوش ہو کر کہا۔ آپ جانتے ہیں۔ مَیں کافی دولتمند ہوں۔ میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ میں آپ کے قرضے کا بھی ذمہ لیتا ہوں اور آپ کے اہل وعیال کا بخوشی سارا خرچ برداشت کرونگا۔ آپ یہ کام ضرور کریں۔

عمیر نے تیاری کی اور سفر کا سارا سامان صفوان نے دیا اور صفوان نے عمیر کی تلوار کو زہر آلود کیا اور اس کے حوالے کی۔ عمیر نے چلتے ہوئے صفوان سے تاکید کی کہ میری واپسی تک اس معاملے کو راز میں رکھنا۔ بہر حال عمیر نے مدینہ پہنچ کر مسجد نبوی کے

دروازے پر اونٹنی کو بٹھایا اور تلوار لے کر قتل کے ارادے سے آگے بڑھا۔ اچانک حضرت فاروق رض کی نظر عمیر پر پڑی اور وہ بہت جلدی آنحضرت ص کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اس کافر کو امان مت دینا، جناب نے فرمایا کہ اس کو میرے سامنے لاؤ۔ حضرت عمر نے چند انصار صحابہ کو حضرت کی حفاظت کیلیے مقرر کیا اور اسکے بعد حضرت عمر رض نے عمیر کو لاکر سامنے کھڑا کر دیا۔ جناب ص نے فرمایا۔ اے عمر ذرہ پیچھے ہٹ جاؤ اور عمیر کو میرے سامنے کھڑا چھوڑ دو۔ عمیر نے کہا۔ انعموا صباحاً یہ ان کا قومی سلام تھا۔ جناب ص نے فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالےٰ نے اس طریقہ سلام کے علاوہ سلام کہنے کا وہ طریقہ بتلایا ہے۔ جو اہلِ جنت آپس میں استعمال کریں گے (السلام علیکم ورحمۃ اللہ) عمیر نے کہا مجھے وہ طریقہ اور الفاظ معلوم نہیں اس لیے میں معذور ہوں۔ جناب ص نے فرمایا اے عمیر کیسے آئے۔ عمیر نے کہا میرا فرزند آپ کے جنگی قیدیوں میں ہے۔ اسے آزاد کرانے آیا ہوں۔ جناب نے فرمایا۔ تو یہ تلوار جو اپنے کپڑوں میں چھپا رکھی ہے کیسی ہے۔ عمیر نے کہا ان تلواروں کا ستیاناس ہو۔ بدر کے میدان میں انہوں نے ہمارا کیا بنایا کہ ہم ان سے کچھ امیدیں رکھیں۔ مجھے غلطی سے گردن سے اتارنی یاد نہیں رہی۔ فرمایا سچ کہتے ہو۔ صرف اپنے قیدی کی رہائی کے لیے آئے ہو اور مقام حجر میں بیٹھ کر صفوان بن امیہ سے کیا شرطیں طے ہوئیں۔ عمیر پاگل سا ہو گیا اور کہنے لگا کیا شرطیں طے ہوئیں۔ جناب نے فرمایا کہ صفوان نے تجھے میرے قتل کے لیے اس شرط پر آمادہ کیا کہ وہ تیرے قرض کا کفیل اور تیرے عیال کے خرچ کا ذمہ وار ہو گا۔ یہ سُن کر عمیر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے خدا کی قسم اس راز اور بات چیت کی میرے اور صفوان کے سوا کسی کو قطعاً خبر نہ تھی۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس بھید کی اطلاع دیدی۔ عمیر اسلام سے بے حد مسرور ہوئے۔ جناب ص نے فرمایا۔ اسکے قیدی کو رہا کر دو اور اسلام کی باتیں سکھا دو۔ حضرت عمیر نے کہا کہ یا حضرت مجھے اجازت ہو تاکہ میں مکہ جا کر قریش کو اسلام کی دعوت دوں شاید اللہ تعالےٰ انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق دے۔ ادھر صفوان مکہ میں رؤساء قریش سے کہتا رہتا تھا کہ عنقریب تمہیں ایسی خوشخبری سناؤں گا جس کے بعد تم بدر کا صدمہ بھول جاؤ گے۔ نیز صفوان ہر آنے والے سے پوچھتا رہتا تھا کہ مدینہ میں کوئی نئی بات یا نیا واقعہ تو نہیں ہوا۔ مدینہ عالیہ سے آنے والے ایک شخص نے کہا کہ عمیر مسلمان ہو چکا ہے۔ اس خبر کے پہنچنے پر مشرکین نے صفوان کو بہت لعنت اور پھٹکار سنائی۔ اتنے میں حضرت عمیر بھی مکہ پہنچ گئے اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان کی تبلیغ سے بہت سے لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ صفوان نے قسم کھائی کہ میں مرتے دم تک عمیر سے بات نہیں کرونگا۔ حضرت عمیر جنگ تبوک میں شریک ہوئے اور حضرت فاروقِ اعظم کی خلافت میں حضرت عمیر بن وہب کی وفات ہوئی۔ (ص ۳۶۔ اصابہ)

درسِ حدیث

وہ تنعم

جس سے اجتناب ضروری ہے

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

ترتیب : مولوی خوشی محمد اعجاز

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ، خلیفہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالٰے کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی ہے۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرتِ موصوف حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے ہیں۔ اس درس کو عموماً "انوارِ مدینہ" کے لیے نوٹ کر لیا جاتا ہے، اس دفعہ یہ درس برادرِ عزیز مولوی خوشی محمد صاحب اعجاز نے مرتّب کیا ہے۔ (اشرف)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِہٖ اِلَی الْیَمَنِ قَالَ اِیَّاکَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ انہیں جناب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجتے وقت یہ ارشاد فرمایا کہ ایاك والتنعم اے معاذ! "تنعم" سے خود کو بچائے رکھو۔ فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین (کیونکہ) اللہ تعالٰے کے (محبوب) بندے متنعم نہیں ہوتے۔

یہاں "تنعم" کا مطلب ہے، اپنی تن آسانی کے لیے حد سے زیادہ سامان مہیا کرنا، نعمتوں کی فراوانی چاہنا، سامانِ عیش و راحت جمع کرنا، تن پروری اور سہولت پسندی اختیار کرنا۔ تو اس سے آپ نے حضرت معاذؓ کو بچنے اور احتراز کرنے کی تلقین فرمائی اور بتلایا کہ اللہ کے نیک بندے عیش پسند نہیں ہوتے بلکہ سادگی اور کم سامانی کو ہی اپنے

حق میں بہتر سمجھتے ہیں اور خواہ مخواہ کے تکلفات سے کنارہ کش رہتے ہیں۔

گویا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا حکم دیا گیا کہ دنیا کی طرف زیادہ توجہ نہ دو۔ سامان اکٹھا کرنے کی فکر میں نہ پڑو۔ خواہشات کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بناؤ۔ کم سامانی اور تھوڑے سے رزق پر ہی راضی رہو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دفعہ پانی لایا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اِنَّہٗ طَیِّبٌ۔ یہ پاکیزہ اور عمدہ چیز ہے، مگر مجھے نعمتیں استعمال کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں استعمال کریں تو وہاں (آخرت میں) محروم رہ جائیں، کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ عُجِّلَتْ لَھُمْ طَیِّبَاتُھُمْ۔ الحدیث

یعنی جو مزیدار اور عمدہ چیزیں وہ تو تم دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اس لیے اب وہ تمہیں نہیں ملیں گے۔

اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ نعمتیں بلاشبہ جائز الاستعمال ہیں۔ ان سے مستفید و متمتع ہونا کوئی بُری بات نہیں ہے۔ مگر حد سے تجاوز کرنا اور نعمتوں کا بے جا استعمال کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔ اسلام نے اسراف و فضول خرچی سے سختی کیساتھ منع کیا ہے۔

اسلام نے جہاں فقراء و مساکین کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے فقر و افلاس کا خدا کے سوا کسی سے گلہ و شکوہ نہ کریں صبر و ہمت سے کام لیں وہاں اس نے امراء اور اہلِ ثروت کو یہ حکم دیا ہے کہ تم دولت کو بیجا صرف نہ کرو اور غرباء و مساکین پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لو۔ اسلام میں بخل (مال کو روکے رکھنا) اور اسراف (بیجا خرچ کرنا) دونوں ناجائز ہیں۔

حضرت فاروق اعظم جس کو کوئی منصب اور عہدہ سپرد کرتے تو اسے یہ ضرور نصیحت فرماتے کہ آرام طلب نہ بننا عیش پسندی کی عادت نہ ڈالنا اور سادگی کو ہاتھ سے جانے نہ دینا۔ ایک دفعہ آپ کو کسی گورنر کے بارے میں یہ شکایت پہنچی کہ اس نے اپنے دروازے پر پہرہ دار بٹھا رکھا ہے اور نرم و باریک کپڑے پہنتا ہے تو آپ نے اسے فوراً طلب فرمایا اور دریافت فرمایا کہ کیا تم نے پہرہ دار بٹھا رکھا ہے اور نرم کپڑے استعمال کرتے ہو؟۔ انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں مجھ میں یہ خامیاں موجود ہیں۔ آپ نے انہیں معزول فرمایا اور انہیں بکریاں چرانے کا حکم صادر فرمایا۔ انہوں نے تامل کیا۔ فرمایا کیا تم اور تمہارے باپ دادا یہ کام نہیں کرتے تھے؟ عرض کیا کہ ضرور کرتے تھے۔ مجھے بھی کوئی انکار نہیں، مگر میرے دوست اور ساتھی میرا مذاق اڑائیں گے اسمیں جو ذلت ہوگی اس سے مجھے اتنی کوفت ہوگی کہ آپ کا مجھے جان سے مار دینا اس سے آسان ہے۔ آپ نے پوچھا آئندہ تو ایسا نہیں کرو گے عرض کیا کہ نہیں کروں گا۔ تب آپ نے انہیں معاف فرما دیا۔

خلفاء اسلام کے حالاتِ زندگی پڑھنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ تنعم اور عیش وعشرت سے بہت بچتے تھے۔ وہ بادشاہ اور خلیفہ ہوکر بھی ہمیشہ عسرت وتنگی میں رہتے اور ہمیشہ صبر وہمت سے کام لیتے رہے۔ ان کے پاکیزہ قلوب مال واسباب کی محبت سے یکسر پاک تھے۔ تمام صحابۂ کرام اور خود سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی یہ عادت تھی کہ جو کچھ آتا فقراء وغرباء پر بے دریغ خرچ کر ڈالتے۔ صحابہؓ میں مالدار ضرور رہے ہیں مگر وہ بخیل ہرگز نہ تھے۔ انہیں بخل سے نفرت تھی اور سخاوت ہی میں فلاح وکامیابی مضمر سمجھتے تھے۔

اسلام میں دولت کمانے کی ہر شخص کو اجازت ہے، مگر جائز وطیب طریقوں سے کمائے اور اسلام نے یہ پابندی عاید کی ہے کہ دنیا جمع کرنے میں اس قدر نہ منہمک ہو کہ خدا ہی کو بھول جاؤ اور آخرت کی فکر جاتی رہے۔ اسلام نے یہ بھی بتلایا ہے کہ بخل اختیار نہ کرو۔ اپنے دل میں دنیا کی محبت کو جگہ نہ دو اسے (دولت کو) اپنی آخرت سنوارنے پر صرف کرتے رہا کرو۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اپنی مرضیات کی توفیق بخشے۔ آمین

★★

خلیق و دیانتدار عملہ

بہترین و بارعایت طباعت

المکرم پریس

۵۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

"تنظیم طلبۂ بلتستان"

تنظیم طلبۂ بلتستان کے ایک انتخابی جلسہ میں حسبِ ذیل اراکین باتفاق رائے منتخب ہوئے

نگرانِ اعلےٰ: مولوی عبدالرحمن، فاضل جامعہ مدنیہ لاہور ٭ صدر: ابراہیم خلیل ٭ جوائنٹ سیکرٹری: عنایت اللہ صدیقی۔
نائب صدر: محمد سلیمان ٭ جنرل سیکرٹری: محمد حسن شاہد۔ متعلم جامعہ مدنیہ لاہور ٭ خازن: ابراہیم خپلوی ٭ نائب سیکرٹری: عبدالرحیم اشعر
مشیرِ خاص: ابراہیم طورتکی ٭ ضامن تعلقات عامہ: غلام محمد ٭ ناظم اجلاس: عبدالخالق ٭ پروپیگنڈہ سیکرٹری: عبدالباری۔
نائب خازن: محمد اسحاق ●

محمد حسن شاہد، جنرل سیکرٹری تنظیم طلبۂ بلتستان

تصوّر

گذشتہ سال خانقاہ عالیہ رائپور (سہارنپور) میں حاضری کی سعادت حاصل ہُوئی
قلبی تاثرات نظم کی صُورت میں ڈھل گئے۔ —— نفیسؔ

یہ کِس کا پرتوِ نورِ جبیں ہے! فضا میں حُسن ہے، ہر شے حسیں ہے
یہ کِس کی موجِ زلفِ عنبریں ہے مشامِ جاں میں بُوئے یاسمیں ہے
تصوّر میں کوئی پہلو نشیں ہے نظر سے دُور ہے دل کے قریں ہے
وہ فرخُندہ جبیں مسند نشیں ہے دِلوں کی سلطنت زیرِ نگیں ہے
یہ خاکِ رائپور، اللہ اکبر مری دُنیا یہیں، عقبیٰ یہیں ہے
مجھے ہے ذرّہ ذرّہ طُورِ اِس کا یہ میرے نازنیں کی سرزمیں ہے
بڑا فیّاض ہے وُہ شاہِ خوباں کُشادہ دل، کشادہ آستیں ہے
مزاجِ حُسنِ جاناں ہم کو معلُوم طبیعت عشق کی بھی نازنیں ہے
نگاہِ عشق کا پندار ٹوٹا تجھے اے حُسنِ جاناں آفریں ہے
تصوّر ہی میں گُم ہو کر نہ رہ جا دلِ ناداں تری منزل یقیں ہے
مجھے داغِ جُدائی دینے والے تری یادوں میں گُم جانِ حزیں ہے
خُدا تجھ کو سدا خوش حال رکھے! ترا غم حاصلِ دُنیا و دیں ہے
شبِ غم دل کی کشتی ہے بھنور میں کہیں اُمّید کا ساحل نہیں ہے
نگاہِ شوق سے اب کس کو دیکھوں نظر کے سامنے کوئی نہیں ہے

نفیسؔ اُن کے بغیر اب زندگی کیا
طبیعت سرد، دِل اندوہگیں ہے

دُعا کی افادیت و اہمیّت

خطیبِ اسلام
حضرت مولانا محمد اجمل صاحب مدظلہ
خطیب جامع مسجد رحمانیہ،
لاہور

قسط ۳

ادب : وَيُجْتَنَبُ الْجَهْرُ وَالْمُخَافَةَ (عین العلم)

(ترجمہ) اور آدابِ دُعاء سے ایک یہ ہے کہ (دعا میں) آواز کو زیادہ بلند کرنے سے اور زیادہ پست کرنے سے اجتناب کرے۔

تشریح : دعاء کرتے وقت ہیئت اور آواز ہر شے سے تذلل کا اظہار ہونا چاہیئے۔ نہ اسقدر چیخ کر دعاء کی جائے کہ گویا خدا بلند آواز ہی کو سنتا ہے اور نہ ہی یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالےٰ تو دِل کی باتوں کو جانتا ہے، منہ سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ بالکل خاموشی اختیار کر لی جائے، بلکہ بجائے اس افراط اور تفریط کے میانہ روی اختیار کی جائے۔ دُعاء میں جہر مُفرط (زیادہ چلّانا) خلافِ ادب ہے اور بغیر الفاظ کے دعاء کا اثر قلب پر پڑتا نہیں اور نہ اس میں گڑگڑاہٹ پیدا ہوتی ہے جو اُسے قبولیت کے مقام پر پہنچائے۔

مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا - یہ آیت کریمہ دُعاء کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (قرطبی۔ ص ۳۴۴ - ج ۱۰)

اور مراقی الفلاح کے حاشیہ (ص ۱۷۳) میں علامہ طحطاوی فرماتے ہیں۔

وَمِنَ الْاٰدَابِ اَنْ يَّدْعُوَ بِخُشُوْعٍ وَ تَذَلُّلٍ وَخَفْضِ صَوْتٍ اَیْ بِاَنْ يَّكُوْنَ بَيْنَ الْمُخَافَتَةِ وَالْجَهْرِ كَمَا فِي الْاَذْكَارِ عَنِ الْاِحْيَاءِ لِيَكُوْنَ اَقْرَبَ اِلَى

(ترجمہ) اور دعاء کے آداب سے یہ بھی ہے کہ دعاء خشوع، عاجزی، اور پست آواز کے ساتھ مانگی جائے یعنی جہر مفرط اور اخفاء کے درمیان ہو اور یہی انداز قبولیت کے زیادہ قریب ہے

اَلْاِجَابَۃِ ۔ جیسا کہ اذکار نووی میں احیاء العلوم کے حوالہ سے مذکور ہے۔

اور جہر مفرط کی ممنوعیت کے متعلق زین الحلم شرح عین العلم (ص ۱۰۲ - ج ۱) میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

وَلَا یُبَالِغُ فِیْ رَفْعِ صَوْتِہٖ لِمَا رُوِیَ اَبُوْمُوْسٰی الْاَشْعَرِیُّ قَالَ قَدِمْنَا مَعَ النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَلَمَّا دَنَوْنَا الْمَدِیْنَۃَ کَبَّرَ وَکَبَّرَ النَّاسُ وَرَفَعُوْا اَصْوَاتَھُمْ فَقَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ الَّذِیْ تَدْعُوْنَ لَیْسَ بِاَصَمَّ وَلَا غَائِبٍ اِنَّ الَّذِیْ تَدْعُوْنَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ اَعْنَاقِ رِکَابِکُمْ۔

(ترجمہ) اور بوقت دعاء بلند آوازی میں مبالغہ نہ کرے، چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جب ہم ایک سفر سے واپس آئے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو آپ نے تکبیر کہی اور لوگوں نے بھی بلند آواز سے تکبیر کہی تو آپ نے فرمایا۔ لوگو! تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو بلکہ وہ تو تمہارے درمیان میں موجود ہے۔

اور علامہ ابوالبرکات نسفی اپنی تفسیر (مدارک ص ۵۷ - ج ۲ اور قرطبی ص ۲۲۶ - ج ۷) میں اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (سورۃ اعراف آیت ۵۰) کے تحت ابن جریج سے نقل فرماتے ہیں۔

اَلصِّیَاحُ فِی الدُّعَاءِ مَکْرُوْہٌ وَبِدْعَۃٌ

(ترجمہ) دُعاء میں چیخنا اور چلانا مکروہ اور بدعت ہے۔

(ہکذا فی روح المعانی ص ۱۳۹ - ج ۸)

اور اسی مقام پر علامہ سید محمود آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی ص ۱۳۹ - ۱۴۰ جزء ثامن میں رقمطراز ہیں۔

وَتَرٰی کَثِیْرًا مِّنْ اَھْلِ زَمَانِکَ یَعْتَمِدُوْنَ الصُّرَاخَ فِی الدُّعَاءِ خُصُوْصًا فِی الْجَوَامِعِ حَتّٰی یَعْظُمَ اللَّغَطُ وَیَشْتَدَّ وَتُسْتَکَّ الْمَسَامِعُ وَتُسْتَدَّ وَلَا یَدْرُوْنَ اَنَّھُمْ جَمَعُوْا بَیْنَ بِدْعَتَیْنِ رَفْعِ الصَّوْتِ فِی الدُّعَاءِ

(ترجمہ) تو اپنے زمانہ کے بہت سے لوگوں کو دیکھے گا جو دعاء میں بہت اونچا چلانے پر اعتماد رکھتے ہیں۔ خصوصاً بڑی بڑی مسجدوں میں۔ یہاں تک کہ شور پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اس عمل میں انہوں نے دو بدعتیں جمع کر لی ہیں۔ ایک تو دُعاء میں بلند کرنا آواز کا اور

وَكَوْنِ ذَالِكَ فِي الْمَسْجِدِ۔ دوسری بلند آوازی مسجد میں۔

اور علامہ رشید رضا مصری اپنی تفسیر المنار ص ۴۵۸۔ ج ۸ میں لکھتے ہیں۔ جس طرح دعاء آہستہ مانگی جاسکتی ہے اسی طرح مناسب حد تک آواز کے ساتھ بھی مانگنے کی اجازت ہے۔ تنہائی میں جہاں ریاء کا خطرہ نہ ہو اور دوسروں کو اسکی آواز سے اذیت پہنچنے کا احتمال نہ ہو تو مناسب حد تک بلند آواز کے ساتھ دعاء مانگنا بہتر ہے، کیونکہ اس طرح وسوسے دور رہیں گے اور بیدار رہنے میں بھی مدد ملے گی، مگر مجمع میں خاموشی سے دعاء مانگنا ہی پسندیدہ ہے۔

اور یہی تحقیق علامہ سید محمود آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی (ص ۱۴۰ - ج ۸) میں نقل فرمائی ہے وہاں ملاحظہ کیجیے۔

اور امام ابوبکر جصاص رازیؒ احکام القرآن (ص ۴۲۔ ج ۳) میں لکھتے ہیں:

وَالدَّلِيلُ عَلَىٰ مَا رُوِيَ فِي تَأْوِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔ قَالَ كَانَ مُوسَىٰ يَدْعُو وَهَارُونُ يُؤَمِّنُ فَسَمَّاهُمَا اللّٰهُ دَاعِيَيْنِ۔

(ترجمہ) اور اس پر دلیل وہ ہے جو آیت قد اجیبت دعوتکما کی تاویل میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دُعاء مانگتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے اور دونوں کو اللہ تعالیٰ نے دُعاء مانگنے والا قرار دیا۔

اور آمین کہنے والا تب ہی آمین کہتا ہے جبکہ کلماتِ دعاء کو وہ سنتا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ مناسب حد تک بلند آواز کے ساتھ دعاء کرنا جائز ہے۔

اور مجمع الزوائد و منبع الفوائد للہیثمی (ص ۱۷۰۔ ج ۱۰) بَابُ التَّامِينِ عَلَى الدُّعَاءِ کے تحت حدیث نقل فرماتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُبَيْرَةَ عَنْ حَبِيبِ بن مَسْلَمَةَ الْفَهْرِيِّ وَكَانَ مُسْتَجَابًا أَنَّهُ أُمِّرَ عَلَىٰ جَيْشٍ فَدَرَبَ الدُّرُوبَ فَلَمَّا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَالَ لِلنَّاسِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) يَقُولُ لَا يَجْتَمِعُ مَلَأٌ

(ترجمہ) ابوہبیرۃ سے روایت ہے کہ حبیب بن مسلمہ فہری مستجاب الدعوات تھے۔ یہ ایک لشکر کے امیر ہوئے اور سرحدیں پار کر چکنے کے بعد جب دشمنوں سے ملے تو لوگوں سے کہا کہ میں نے حضورؐ سے سُنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب کوئی

فَيَدْعُوْا بَعْضُهُمْ وَيُؤَمِّنُ سَائِرُهُمْ اِلَّا اَجَابَهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اَنَّهٗ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَحْقِنْ دِمَاءَنَا وَاجْعَلْ اُجُوْرَنَا اُجُوْرَ الشُّهَدَاءِ فَبَيْنَاهُمْ عَلٰى ذَالِكَ اِذْ نَزَلَ الْهُبَنَاطُ اَمِيْرُ الْعَدُوِّ فَدَخَلَ عَلٰى حَبِيْبٍ سُرَادِقَهٗ۔

(رواہ الطبرانی وقال لہبناط بالرومیۃ صاحب الجیش و رجالہ رجال الصحیح غیر ابن لہیعۃ وہو حسن الحدیث)

جماعت جمع ہوتی ہے اور ان کا بعض دُعاء کرے اور باقی لوگ آمین کہیں تو ضرور اللہ پاک ان کی دُعاء قبول کرتا ہے اور اسکے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ثناء کی اور کہا اے میرے اللہ! ہمارے خون کی حفاظت فرما اور ہمارے اجور کو شہداء جیسا اجر کردے۔ لوگ ابھی اسی حال میں تھے کہ اچانک دشمنوں کا امیر جس کو ہنباط کہتے ہیں آیا اور حضرت حبیبؓ کے پاس انکے خیمہ میں داخل ہوگیا۔

اَدب: وَلَا يَتَكَلَّفُ بِالسَّجْعِ فَوَرَدَ اِيَّاكُمْ وَالسَّجْعَ فِي الدُّعَاءِ

(عین العلم ۲)

(ترجمہ) اور دعاء میں بتکلف قافیہ بندی کی کوشش نہ کرے، کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ دعاء میں قافیہ بندی سے بچو۔

تشریح: دعاء میں تصنع، تکلف اور الفاظ کی زیبائش وآرائش کا لحاظ نہ خیال کیا جائے۔ الفاظ کی قافیہ بندی کی طرف ذہن کو متوجہ کرنے سے اسکے مفہوم ومعانی کی طرف توجہ میں خلل پیدا ہوگا اور دعاء میں انہماک باقی نہ رہ سکے گا۔

چنانچہ زین الحلم شرح عین العلم ص ۱۰۴۔ ج ۱ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

وَلَا يَتَكَلَّفُ بِالسَّجْعِ فِي الدُّعَاءِ فَاِنَّ حَالَ الدَّاعِيْ اَنْ يَّكُوْنَ حَالَ مُتَضَرِّعٍ وَالتَّكَلُّفُ لَا يُنَاسِبُهٗ۔

(ترجمہ) دُعاء میں قافیہ بندی کا تکلف نہ کرے اس لیے کہ دعاء مانگنے والے کی حالت تضرع کرنیوالے کی طرح ہو اور تکلف اسکے مناسب حال نہیں

اور بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

وَاَنْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ

(ترجمہ) دعاء میں قافیہ بندی سے پرہیز کرو، کیونکہ

فَاِنِّیْ عَهَدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَصْحَابَهٗ لَا یَفْعَلُوْنَ ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا یہ طرزِ عمل نہ تھا۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ دعاء کرتے وقت اگر ذوق طبعی سے زبان پر بلا تکلف کلمات دعائیہ موزونہ جاری ہو جائیں تو اس میں کوئی باک نہیں، چنانچہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعاؤں میں کلمات موزونہ منقول و مأثور ہیں، لیکن ان دعاؤں میں قافیہ بندی کا قصد نہیں کیا گیا، چنانچہ حضرت ملا علی قاریؒ زین الحلم شرح عین العلم ص ۴۰ ج ۱ میں فرماتے ہیں۔

ثُمَّ الْمَنْعُ اِنَّمَا هُوَ التَّكَلُّفُ فِی السَّجْعِ بِخِلَافِ مَا اِذَا وَرَدَ عَلٰی مُقْتَضَی الطَّبْعِ فَفِی الْاَدْعِیَةِ الْمَاْثُوْرَةِ عَلٰی لِسَانِ صَاحِبِ الشَّرْعِ جَاءَتْ كَلِمَاتٌ مُتَوَازِنَةٌ مُؤْتَلِفَةٌ اِلَّا اَنَّهَا غَیْرُ مُتَكَلَّفَةٍ كَقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ ۔

"اَللّٰهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِیْدِ وَالْاَمْرِ الرَّشِیْدِ اَسْئَلُكَ الْاَمْنَ مِنْ یَوْمِ الْوَعِیْدِ ۔ وَالْجَنَّةَ یَوْمَ الْخُلُوْدِ ۔ مَعَ الْمُقَرَّبِیْنَ الشُّهُوْدِ ۔ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِالْعُهُوْدِ اِنَّكَ رَحِیْمٌ وَدُوْدٌ وَاَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِیْدُ ۔"

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) اے اللہ مضبوط رسی والے اور درست حکم والے ..... پروردگار وعید کے دن امن کا طالب ہوں اور خلود کے دن جنت کا اور تیرے ان مقربین کی رفاقت سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہوں جنہوں نے تیری گواہی دی۔ تیرے لیے رکوع و سجود کو شعار ٹھہرایا اور اپنے عہد کو پورا کیا۔ پروردگار! تو رحیم اور شفقت والا ہے اور تو جو چاہے کر سکتا ہے۔

(۲) وَكَقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَ عَمَلٍ لَا یُرْفَعُ وَقَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَ

(ترجمہ) اے اللہ میں آپکے ساتھ ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نافع نہ ہو اور ایسے عمل سے تیری طرف جو اٹھایا نہ جائے اور ایسے دل سے

دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ ۔ (رواہ احمد وابن حبان والحاکم) جسمیں خشوع نہ ہو اور اس دعاء سے جو مقبول نہ ہو۔

(۳) وَکَقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ اٰمِنْ رَوْعَاتِنَا (ترجمہ) اے اللہ میرے عیوب کو ڈھانک دے اور میرے خوف کو امن میں تبدیلی کر دے۔

(رواہ احمد)

خلاصہ: دعاء میں قافیہ بندی آورد اور تکلف کے طور پر منع ہے اور بے تکلف اور آمد کے طور پر جائز ہے۔

حضرت حبیب عجمیؒ جو بہت مستجاب الدعوات تھے اور نہایت سادہ الفاظ میں دعاء مانگا کرتے تھے اور لوگوں کے حسن اعتقاد کا یہ عالم تھا کہ ان کے ایک ایک لفظ پر ہر کونے اور ہر گوشے سے آمین کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ ایک صاحب دل کا کیا ہی اچھا قول ہے:

اُدْعُ بِلِسَانِ الذِّلَّۃِ وَالْاِفْتِقَارِ لَا بِلِسَانِ الْفَصَاحَۃِ وَالْاِنْطِلَاقِ۔ (ترجمہ) ذلت اور افتقار کی زبان سے اللہ کو پکارو۔ فصاحت، بلاغت اور طلاقت لسانی سے کلام نہ کرو۔

ادب: وان لا یتکلف التغنی بالانغام (ترجمہ) اور آدابِ دعا سے ایک یہ ہے کہ دعا میں گانے کا طریقہ اختیار نہ کرے۔

(حصن حصین)

تشریح: امام قرطبیؒ اپنی تفسیر ص ۳۱۲ میں فرماتے ہیں:

وَمِنْ شَرْطِ الدُّعَاءِ اَنْ یَّکُوْنَ سَلِیْمًا مِنَ اللَّحْنِ کَمَا اَنْشَدَ بَعْضُھُمْ ؎

یُنَادِیْ رَبَّہٗ بِاللَّحْنِ لَیْثٌ کَذَالِکَ اِذَا دَعَاہُ لَا یُجِیْبُ (ترجمہ) دعاء کی شرط یہ بھی ہے کہ گانے کے لب و لہجہ سے پاک ہو۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ؎ کہ لیث لحن کے ساتھ اپنے رب کو پکارتا ہے جب اس انداز سے اسکو پکاریگا تو اسکی دعا قبول نہ ہوگی۔

امام برکلی طریقہ محمدیہ ص ۲۲۵ - ج ۲ میں فرماتے ہیں:

وَاَقْبَحُ التَّغَنِّیْ مَا کَانَ فِی الْقُرْاٰنِ وَ الذِّکْرِ وَالدُّعَاءِ۔ (ترجمہ) اور بدترین نغمہ سرائی وہ ہے تلاوتِ قرآن مجید اور ذکر الٰہی اور دعاء میں ہو۔

دعاء میں تو تضرع، زاری، انکساری، گریہ وزاری ہونی چاہیئے اور موسیقی کے لب ولہجہ، طرز کو دعاء سے کیا

مناسبت؟ جو سراسر خشوع کے منافی ہے۔ لہٰذا بارگاہِ الٰہی میں اپنی درخواست پیش کرنے والے کو اس شرط کا خاص اہتمام التزام کرنا چاہیئے۔

ادب: وَمِنْهُ الدُّعَاءُ بِلَفْظٍ اَعْجَمِيٍّ جَهِلَ مَعْنَاهُ (مرقات شرح مشکوٰۃ)

(ترجمہ) اور (ممنوعات) میں سے ہے۔ ان عجمی الفاظ کے ساتھ دعاء کرنا جنکے معنی نہ جانتا ہو۔

تشریح: جہاں تک ممکن ہو دعاء عربی میں مانگی جائے، کیونکہ عربی زبان اشرف اللغات ہے اور عربی زبان کو دوسری زبانوں پر کئی وجوہ سے فضیلت اور برتری حاصل ہے، چنانچہ طریقہ محمدیہ ص ۹۲ - ج ۱ میں فرماتے ہیں:

فَفِیْ بُسْتَانِ الْعَارِفِیْنَ اَعْلَمْ اَنَّ الْعَرَبِیَّةَ لَهَا فَضْلٌ عَلٰی سَائِرِ الْاَلْسِنَةِ۔

اسی قول کے تحت بریقہ محمودیہ ص ۲۵۵ - ج ۱ میں فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ لِاَنِّیْ عَرَبِیٌّ وَالْقُرْاٰنُ عَرَبِیٌّ وَكَلَامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِیٌّ۔

(ترجمہ) ابن عباس رض سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عرب سے تین باتوں کی وجہ سے محبت رکھو اس لیے کہ میں عربی ہوں، قرآن عربی ہے اور اہلِ جنت کی گفتگو بھی عربی میں ہوگی۔

اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور اسی مقام پر بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ ص ۲۵۵ ج ۱ میں ہے۔

وَاَمَّا الْعَرَبِیَّةُ فَلَهَا مَزِیَّةٌ عَلٰی بَاقِیْهَا حَتّٰی یُكْرَهُ التَّكَلُّمُ بِغَیْرِهَا لِمَنْ یُحْسِنُهَا۔

(ترجمہ) اور عربی زبان کو دوسری زبانوں پر خاص فضیلت حاصل ہے حتّٰی کہ جو شخص عربی زبان میں گفتگو کرنیکی مہارت رکھتا ہو اس کے لیے کسی دوسری زبان میں گفتگو کرنا مکروہ ہے۔

اور حدیقۃ الندیہ شرح طریقہ محمدیہ ص ۲۲۴ - ج ۱ میں اسی مقام پر شیخ عبدالغنی نابلسیؒ فرماتے ہیں:

قَالَ الْحَلِیْمِیْ لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اِطْلَاقُ لِسَانِهٖ بِتَفْضِیْلِ الْعَجَمِ عَلَی الْعَرَبِ بَعْدَمَا بَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَفْضَلَ رُسُلِهٖ

(ترجمہ) حلیمی فرماتے ہیں کہ عرب کے بالمقابل عجم کو فضیلت دینے کے متعلق کسی شخص کو زبان کھولنا مناسب نہیں۔ جبکہ اللہ تعالےٰ نے تمام پیغمبروں سے

مِنَ الْعَرَبِ وَاَنْزَلَ آخِرَ كُتُبِهٖ بِلِسَانِ الْعَرَبِ فَصَارَ فَرْضاً عَلَى النَّاسِ اَنْ يَتَعَلَّمُوا اللُّغَةَ الْعَرَبِ لِيَعْقِلُوا عَنِ اللّٰهِ اَمْرَهٗ وَنَهْيَهٗ وَمَنْ اَبْغَضَ الْعَرَبَ اَوْ فَضَّلَ الْعَجَمَ عَلَيْهِمْ فَقَدْ اٰذٰى بِذَالِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِاَنَّهٗ اَسْمَعَهٗ فِيْ قَوْمِهٖ خِلَافَ الْجَمِيْلِ وَمَنْ اٰذَاهُ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ تَعَالٰى ذَكَرَهُ الْمَنَاوِيْ فِيْ شَرْحِ جَامِعِ الصَّغِيْرِ لِلسُّيُوْطِيْ۔

افضل پیغمبر کو عرب ہی سے مبعوث فرمایا اور اپنی آخری کتاب کو بھی عرب کی زبان میں نازل فرمایا۔ پس لوگوں پر لازم ہے کہ عربی زبان سیکھیں تاکہ اللہ تعالےٰ کے ارشادات امر و نہی کو سمجھ سکیں اور جو شخص عرب سے بُغض رکھے گا یا عجم کو عرب سے افضل سمجھیگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے حق میں اس قسم کے مبغوض خیالات رکھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچائیگا اور جس (بدبخت) نے حضورؐ کو ایذا پہنچائی تو اس نے اللہ تعالےٰ کو ایذا دی۔ اس کو جامع صغیر کی شرح میں علامہ عبدالرؤف مناوی مصری نے بیان کیا ہے۔

فائدہ: یہاں امام حلیمیؒ کے ارشاد سے عربی زبان کی فضیلت اور اسکی تعلیم و تعلم کی اہمیت بھی واضح ہوگئی، مگر ساتھ ساتھ عرب کی محبت کا بھی ذکر آگیا ہے۔ اگرچہ ادب مذکور سے اس کی مناسبت نہیں، مگر محبت عرب کی اہمیت کے متعلق ایک حدیث ضمناً عرض کردیتا ہوں۔ تاکہ حضور کی محبوب قوم کی شان نمایاں ہوجائے۔

عَنْ سَلْمَانَؓ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبْغِضْنِیْ فَتُفَارِقَ دِيْنَكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اُبْغِضُكَ وَبِكَ هَدَانَا اللّٰهُ قَالَ تُبْغِضُ الْعَرَبَ فَتُبْغِضُنِیْ۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا دیکھو مجھ سے بُغض نہ رکھنا ورنہ دین سے بالکل جدا ہوجاؤ گے۔ میں نے عرض کیا یارسول بھلا آپ سے کیسے بُغض رکھ سکتا ہوں۔ آپ ہی کے طفیل تو اللہ نے ہمکو ہدایت نصیب فرمائی فرمایا عرب سے بغض رکھو گے تو مجھ سے بغض رکھنے لگو گے۔

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (ترجمان السنۃ ص ۳۵۷۔ ج ۱)

فائدہ : مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رح اس حدیث کے حواشی میں فرماتے ہیں کہ اسلام میں محبت کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ رسول کی محبت خدا کی محبت کی وجہ سے ہے اور عرب کی محبت اس لیے ہے کہ وہ خدا کے برگزیدہ رسول کی محبوب قوم ہے۔ باقی عرب کے کسی خاص شخص سے اسکی بداعمالی کی وجہ سے عداوت عرب کی عداوت نہیں کہلاتی۔ عرب آنحضرت کی قوم ہے اس لیے وہ ہمیشہ نظروں میں محبوب رہنی چاہیئے۔ (ملخصاً)

باقی رہا اصل مسئلہ کہ عجمی زبان میں ان کلمات کے ساتھ دُعاء کرنا منع ہے جن کے معنی نہ جانتا ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ دعاء کفریہ الفاظ پر مشتمل ہو اور یہی حکم رُقیہ منتر، جنتر، افسون اور طلسم کا ہے۔

چنانچہ حدیقۃ الندیہ شرح طریقہ محمدیہ ص ۳۹۱ - ج ۲ میں شیخ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں۔

قَالَ الْمَازِرِیُّ جَمِیْعُ الرُّقٰی جَائِزَۃٌ اِذَا کَانَتْ بِآیَاتِ اللّٰہِ اَوْ بِذِکْرِہٖ وَ یُنْھٰی عَنْہُ اِذَا کَانَتْ بِاللُّغَۃِ الْعَجَمِیَّۃِ اَوْ بِمَا لَا یُدْرٰی مَعْنَاہُ لِجَوَازِ اَنْ یَّکُوْنَ فِیْہِ کُفْرٌ۔

(ترجمہ) مازریؒ فرماتے ہیں کہ آیاتِ قرآنیہ اور اسماء الٰہیہ کے ساتھ جھاڑ پھونک جائز ہیں۔ البتہ اگر وہ منتر، افسوں عجمی زبان میں ہوں اور معنی سے بھی واقفیت نہ ہو تو یہ منہی عنہ ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ کفریہ الفاظ پر مشتمل ہو۔

باقی عجمی شخص اگر اپنی زبان میں دعاء کرے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ تعالےٰ تو سب زبانوں کو جانتے ہیں بلکہ اپنی زبان میں دعاء کرنا بایں معنی موزوں و مناسب ہے کہ دعاء کرنے والا جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ سوچ سمجھ کر حضورِ قلب کے ساتھ کہہ سکتا ہے۔ (واللہ اعلم وعلمہ اتم و احکم)

ادب : وَالْاَوْلٰی اَنْ یَّقْتَصِرَ عَلَی الْمَاْثُوْرِ لِئَلَّا یَسْئَلَ مَالَا صَلَاحَ فِیْہِ۔ (عین العلم)

(ترجمہ) افضل یہی ہے دعاء ماثور پر اکتفا کرے۔ تاکہ اس قسم کا سوال نہ کر بیٹھے۔ جسمیں اس کے لیے بہتری نہ ہو۔

تشریح : ملا علی قاریؒ زین الحلم ص ۱۰۴ - ج ۱ پر اس قول کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دُعا ماثورہ کے علاوہ اور کچھ نہ مانگے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مانگنے میں حد سے تجاوز کر جائے اور ایسا سوال کر بیٹھے جس میں اس کے لیے بہتری و مصلحت نہ ہو۔ نیز ہر شخص اپنے طور پر دعاء مانگنا بھی اچھی طرح نہیں جانتا۔

چنانچہ حضرت معاذؓ سے مروی ہے کہ علماء کی ضرورت جنت میں بھی ہوگی۔ جبکہ اللہ تعالےٰ اہلِ جنت سے فرمائینگے

کہ کچھ مانگو۔ تو ان کو معلوم نہ ہوگا کہ کس چیز کا سوال کریں۔ یہاں تک کہ علماء سے دریافت کر کے درخواست کرینگے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم امت کے لیے ہر مرغوب و پسندیدہ چیز کو بارگاہ الٰہی سے طلب کیا ہے اور ہر خوفناک، خطرناک چیز سے پناہ مانگی ہے۔

اور امام شعرانی رح لواقح الانوار۔ ص ۲۷۹ طبع جدید میں فرماتے ہیں کہ ہمیں دعاء غیر مأثورہ ہرگز نہ مانگنی چاہیئے۔ مگر اس وقت جبکہ ہمکو دعا مأثورہ سے کچھ یاد نہ ہو اور یہ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے الفاظ و کلمات نہایت جامع و مانع، اکمل، اتم ہوتے ہیں۔ نیز دعاء مأثورہ کے مانگنے سے بجائے ابتداع کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی سعادت بھی حاصل ہوتی ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ و مرشد حضرت علی خواص رح کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے بارگاہ الٰہی میں مأثور کلمات سے دعاء مانگی تو اللہ تعالےٰ اس کی دعاء کو جلد قبول فرمالیتے ہیں اور جس شخص نے من گھڑت اور مخترع (غیر ماثورہ) کلمات سے دعاء مانگی تو اس کی دعاء قبول نہیں کی جاتی، مگر جبکہ وہ انتہائی بے قرار ہو۔ پس بندہ کو چاہیئے کہ مأثور ادعیہ سے کسی قدر دعائیں یاد کرلے۔ تاکہ مصائب و شدائد کے وقت اللہ تعالےٰ سے دعاء مانگ سکے۔

نیز اسی کتاب کے ص ۵۹۱ پر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ و مرشد حضرت علی خواص رح کو فرماتے ہوئے سنا۔ کہ اللہ تبارک و تعالےٰ مأثور دعاء کو قبول فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ مأثور دعاء بھی از قسم وحی ہوتی ہے اور وحی اللہ تعالےٰ کی صفات سے ایک صفت ہے۔ پس گویا صفت سے موصوف کو مخاطب کیا جاتا ہے، لیکن دُعاء غیر مأثور کے کلمات ان صفات سے خالی ہوتے ہیں۔

نیز اسی کتاب کے ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ ہر شخص کو چاہیئے کہ مأثور کلمات سے ہی دُعا مانگے۔ اسلیے کہ کلامِ نبوت فصاحت اور بارگاہ الٰہی کے آداب عظمت ملحوظ رکھنے میں بہت بلند ہوتی ہے اور جن جن کلمات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں مانگی ہیں وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہیں۔

پس جس شخص کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرّہ بھی عظمت ہوگی وہ کبھی اس راستہ پر چلنے کی کوشش نہ کریگا جس میں آنحضرتؐ کی اتباع نصیب نہ ہو۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ اکثر لوگوں نے ان ادعیہ کو تو ترک کر رکھا ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مأثور

ہیں اور احادیث میں مذکور ہیں اور ان کے بجائے امام بونی وغیرہ کے اوراد و وظائف بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں جن کے پڑھنے کے لیے بخورات اور خورد و نوش وغیرہ کی عجیب شرائط بیان کی گئی ہیں۔ حالانکہ کہاں بُونیؒ اور کہاں سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی۔

وَاَیْنَ نَفْسُ الْبُوْنِیْ مَثَلاً مِنْ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (ملخصاً از لواقح الانوار ص ۳۱۶)

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

اور امام قرطبیؒ اپنی مشہور و متداول تفسیر ص ۲۲۶ - ج ۷ میں فرماتے ہیں:

وَمِنْهَا اَنْ یَدْعُوَ بِمَا لَیْسَ فِی الْکِتَابِ وَ السُّنَّةِ فَیَتَخَیَّرُ اَلْفَاظاً مُقَفَّاةً وَ کَلِمَاتٍ مُسَجَّعَةٍ قَدْ وَجَدَهَا فِی کُرَّارِیْسَ لَا اَصْلَ لَهَا وَلَا مُعَوَّلَ عَلَیْهَا فَیَجْعَلُهَا شِعَارَهٗ وَیَتْرُکُ مَا دَعَا بِهٖ رَسُوْلُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ

(ترجمہ) اور از قبیل اعتداء فی الدعاء ایک یہ بھی ہے کہ کتاب و سنت کی ادعیہ کو چھوڑ کر ان مقفّٰی الفاظ اور مسجّع کلمات کو دعاء کے لیے اختیار کرے جو غیر مستند اور ناقابلِ اعتماد رسائل، مکاتیب سے اخذ کی گئی ہوں اور ان کو اپنا شعار بنالے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ماثور ادعیہ کو ترک کردے۔

فائدہ: ادعیہ ماثورہ یہاں نقل کرنے کی گنجائش نہیں، البتہ ادعیہ ماثورہ کے مجموعے ہفت منازل پر مرتب شدہ مطبوعہ دستیاب ہو رہے ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ نے ادعیہ ماثورہ کے مجموعہ کو مناجات مقبول کے نام سے ترتیب دیا ہے جو معروف و متداول ہے اور خواص کے ہاں متناول ہے اور حضرت ملا علی قاریؒ مجدد وقت نے "الحزب الاعظم" کے نام سے ایک بہترین مجموعہ مرتب فرمایا۔ جس کے کئی علماء نے شروح و تراجم لکھے ہیں۔

اکثر علماء کرام و بزرگانِ دین ادعیہ ماثورہ کے ان مجموعوں سے استفادہ، استفاضہ کرتے رہتے ہیں یعنی ان کے اوراد و وظائف یومیہ میں ان کا پڑھنا شامل ہے۔

ادب: وَیَتَضَرَّعُ (عین العلم) (ترجمہ) اور آداب دُعاء سے ایک یہ ہے (کہ دعاء میں) خوب گڑگڑائے۔

تشریح: اللہ کے حضور گڑگڑا کر عاجزی، انکساری کے ساتھ اپنی درخواست پیش کرنا، کوئی حاجت مانگنا۔ یا

گناہوں کی معافی مانگنا۔ تضرع اور عجز کہلاتا ہے۔

جس طرح گڑگڑا کر عاجزی اور فریاد کرنے والے کو دیکھ کر ہر انسان کا دل پسیج جاتا ہے اور اس کی حالت پر رحم آنے لگتا ہے۔ اسی طرح رب العزت اپنے بندے کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے حضور میں تضرع اور عجز کے ساتھ فریاد پیش کر رہا ہے تو ضرور اس کی فریاد رسی فرماتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں بندوں کو بارگاہ الٰہی میں دعاء مانگتے وقت ایسے عجز و انکساری کی ہدایت فرمائی ہے۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً ۔ (سورۃ اعراف)

پس دعاء کرنے والے کو چاہیئے کہ اپنے سوال کی اہمیت اور مسئول عنہ (باری سبحانہ وتعالےٰ) کی عظمت کے لحاظ سے اپنی دعاء میں سوز و گداز۔ عجز و نیاز۔ لجاجت و سماجت و انکسار و افتقار اور اپنی شکستگی و درماندگی، عاجزی، بے چارگی، بے بسی، بیکسی کا اظہار کرے۔

غرضکہ دعاء میں غایت احتیاج اور نہایت افتقار کی حالت اختیار کرنی چاہیئے۔ شکل و صورت کا انداز بھی عاجزانہ ہو اور الفاظ، کلمات بھی افتقار کے مناسب ہوں، محض سوال اور دعاء کے الفاظ پر ہی اکتفاء نہ کی جائے۔ بلکہ دل بھی ساتھ ساتھ گریان ہو اور زبان اس کی صحیح ترجمان ہو اور یہ دولت اہل اللہ کی صحبت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

فَفِيْ ذَالِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۔

عارف باللہ مولانا رومؒ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

ایکہ خواہی کز بلا جان را خری — جان خود را در تضرّع آوری
با تضرع باش تا شادان شوی — گریہ کن تا بے وہاں خنداں شوی
اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ دوست — دے ہمایوں دل کہ آں بریان اوست
آخر ہر گریہ ما خندہ است — مرد آخر بین مبارک بندہ است

اور حدیث شریف میں ہے:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا ابْتَلَاهُ يَسْمَعُ تَضَرُّعَهٗ۔

(ترجمہ) اللہ تعالےٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اسکو کسی بلا میں مبتلا کر دیتے ہیں تاکہ اسکی گریہ وزاری سنیں۔

(عن ابن مسعود و ہو حسن لغیرہ۔ کذا فی العزیزی ص ۷۹، ج ۱)

عہد عالمگیری کی ایک نادر تالیف

مؤلفہ: عبداللہ خوشگی قصوری ←

اخبار الاولیاء

افغان بزرگوں کا ایک قدیم تذکرہ جو تا حال طبع نہیں ہوا

باب دوم : در بیان سائر افغانان

"اخبار الاولیاء" کے پہلے باب کی تلخیص و ترجمہ گزشتہ شمارہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس شمارہ میں دوسرے باب کا ترجمہ حاضر ہے۔

پانچ ابواب پر مشتمل یہ فارسی تذکرہ عہدِ عالمگیری میں تصنیف ہوا۔ اس کا ایک نادر قلمی نسخہ حضرت مولانا سیّد محمد طیّب شاہ صاحب ہمدانی قصوری کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ نسخہ عبدالباقی قصوری نے ۱۱۱۴ھ میں لکھا۔ ——— نفیس

(۱) شیخ عبدالنبی پٹنی : متعبد و مرتاض، معاصر امیر تیمور۔ مدفن در ولایت۔

(۲) مولانا خضر : ابنِ شیخ عبدالنبی۔ قطبِ وقت تھے۔

(۳) شیخ احمد : ابنِ موسیٰ شروانی، مرید حضرت مخدوم بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ۔ مدفن ملتان

(۴) شیخ سلیمان دانا : ابنِ شیخ احمد۔ مرید حضرت شیخ صدرالدین عارف ملتانیؒ

(۵) شیخ محمود حاجی : اپنے والد شیخ سلیمان دانا کی وفات کے بعد سجادۂ مشیخت پر متمکن ہوئے۔

(۶) شیخ ملھی قتال : ابنِ شیخ سلیمان۔ مرید حضرت شہباز قلندرؒ۔

(۷) شیخ صدرالدین مالنیریؒ : معاصر سلطان سکندر لودھی۔

(۸) شیخ راجو : ابنِ شیخ محمدؒ۔ مرید حضرت شیخ جمالی دہلوی۔

(۹) شیخ خدو : ابنِ شیخ بولیس ماغر۔ درویشِ کامل

(۱۰) شیخ منجن لودھیؒ : متعبد و متورع، ان کی اولاد و احفاد منجن خیل کہلاتی ہے۔

(۱۱) شیخ علی پستور لپسی : مردِ کامل، معاصرِ اسلام شاہ لودھی۔

(۱۲) خواجہ خضر کاکر : وطن دوآبہ گنگا وجمنا۔ صاحبِ کرامات

(۱۳) خواجہ خضر شروانی : روزانہ پانچ صد رکعت نماز اور ایک قرآنِ پاک ختم کرتے تھے۔ مدفن بالائی رود در ابہن کوہ سلیمان

(۱۴) حاجی ابواسحٰق داوی : صاحبِ خوارق عادات، ساکن قصبہ کیتھل۔

(۱۵) شیخ حسن : ابن متہہ خلیلؒ۔ مرید حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانیؒ

(۱۶) شیخ ادریس میربابنی : صاحبِ ریاضت ومستجاب الدعوات، مرید خانوادۂ سہروردیہ۔

(۱۷) شیخ یحییٰ شہید باہی : وظیفۂ یومیہ ایک ہزار رکعت نماز۔ کفار سے ایک معرکے میں شہید ہوئے۔

(۱۸) شیخ عمر شروانی بنگالی : مجذوب، چالیس سال لکھنؤ میں رہے۔ جہانگیر شاہزادگی کے زمانے میں آپ سے بہت اعتقاد رکھتا تھا۔

(۱۹) مولانا علی پٹنی سرہندی : درویش مرتاض (۲۰) خواجہ کری تارن : متورع وصائم الدہر۔ صاحبِ خوارق

(۲۱) شیخ ارمیا تارن : صاحبِ ولایت۔ (۲۲) شیخ بدک تارن : غوثِ وقت، مستجاب الدعوات۔

(۲۳) شیخ علی تارن : حاجی پور کے مشہور بزرگ تھے۔

(۲۴) شیخ عیسیٰ پٹنی : مستجاب الدعوات، مدفن سلہٹ۔

(۲۵) شیخ اسمٰعیل پٹنی : مرید حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ۔ موطن و مدفن ولایت۔ مزار بالائی کوہِ سلیمان واقع ہے۔

(۲۶) خواجہ یحییٰ کبیرؒ : مرید حضرت مخدوم جہانیاں سیّد جلال الدین بخاری قدس سرہٗ۔ موطن، مدفن ولایت۔

(۲۷) شیخ علی ذنکر : مرید خواجہ یحییٰ کبیرؒ۔

(۲۸) شیخ پای سیدانی : متورع متعبد، ربع مسکون کے خاصے حصّے کی سیر کی مشائخ وقت کی خدمت میں رہے۔ موطن و مدفن کاشغر۔

(۲۹) شیخ لبستان برنج : آغازِ شباب ہی میں ہندوستان آکر قصبہ سامانہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ نصف قرآنِ پاک روزانہ تلاوت فرماتے تھے۔ مؤلف تاریخِ افغانی ان کی خدمت میں رہے۔ گجرات میں ۱۰۰۲ھ میں رحلت فرمائی۔

(۳۰) شاہ عبدالرحمٰن بختیارؒ : موطن قصبہ تہارہ، مدفن موضع پیرو کی نزد ملک پور مضاف لاہور، معاصر سلطان اسلام شاہ۔

(۳۱) میاں مٹھہ کالنسی : مرید شیخ عبدالرحمٰن۔ معاصر اکبر بادشاہ، موطن و مدفن کٹھیالہ (پنجاب)

(۳۲) شاہ محمد مجذوب جلوانی : موطن و مدفن اٹاوہ۔

(۳۳) شاہ ابابکر بختیار : برادر شیخ عبدالرحمٰن۔ مرید شیخ محمد غوث گوالیری، موطن و مدفن تہارہ۔

(۳۴) شاہ شہاب بختیار : مرید شاہ ابابکر بختیارؒ۔ مولد و مدفن قصبہ کیتھل۔

(۳۵) شیخ جمال کاکر : صاحب خوارق غریبہ و کراماتِ عجیبہ۔

(۳۶) شیخ عبداللہ نیازی چشتی سرہندی: بزرگان عہد و مشائخ وقت میں سے تھے۔ بارہ سال تک عرب و شام میں علوم حاصل کیے اور بہت سے مشائخ سے فیض پایا۔ سات سال بغداد میں رہے۔ اسلام شاہ سوری کے عہد میں ہندوستان آئے۔ قصبہ بیانہ میں سکونت اختیار کی۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں سرہند آگئے۔ ایک عرصہ تک فرقہ مہدویہ میں شامل رہے۔ بعد میں توبہ کر لی۔ مؤلف "تواریخِ افغانی" کا بیان ہے:

"کہ من بملازمتِ ایشان مشرف شدہ بودم و از اعتقادِ مہدویہ استفسار نمودم، فرمود، کہ من در ابتدای اعتقاد داشتم کہ مہدی موعود موجود گشتہ، آمادر نیولا از کتب احادیث تحقیق کردم کہ مہدی موعود آمدنی است و ازاں عقیدۂ فاسد باز آمدم۔"

اکبر بادشاہ جب بھی سرہند آتا، ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ ۱۰۴ سال سے زیادہ عمر پاکر بزمِ ہستی سے رخصت ہوئے۔

(۳۷) شیخ علائی لودھی : ابن شیخ حسن، ساکن بیانہ، شیخ عبداللہ نیازی جن دنوں بیانہ میں تھے شیخ علائی نے ان سے متاثر ہو کر طریقۂ مہدویہ اختیار کر لیا۔ مولانا عبداللہ سلطانپوری، سیّد رفیع الدین، مولانا جمال الدین دانشمند اور مولانا ابوالفتح تھانیسری نے ان سے مناظرہ کیا، لیکن یہ باز نہ آئے۔ اسلام شاہ سوری کے حکم سے انہیں تازیانے لگائے گئے۔ تیسرے تازیانے پر روح پرواز کر گئی۔ نعش بیانہ لائی گئی۔ اپنے آباؤ اجداد کے مقابر میں سپردِ خاک ہوئے۔

(۳۸) شیخ احمد شون : درویش صاحبِ سوز چشتی مشرب ساکن قصبہ بجوارہ، معاصر جہانگیر بادشاہ۔

(۳۹) شیخ خلیل پٹنی : مرید شیخ بدی چشتی۔ معاصر اکبر بادشاہ۔ مدفن نوادہ، پٹنہ سے تین فرسنگ جانبِ مشرق۔

(۴۰) شیخ علی سرور لودھی : شاہو خیل۔ ساکن قصبہ کھلور کہ (ملتان سے چالیس کوس کے فاصلے پر) مرید سلسلۂ سہروردیہ

(۴۱) شاہ کریمداد مشوانی : مرید شاہ نعمت اللہ چشتی بہاری۔ مدفن تکیہ نواح بہار۔

(۴۲) شیخ پائندہ ترین : مرید و خلیفۂ حضرت شیخ نظام الدین تھانیسری چشتی مدفن قصبہ ہنور (جسے عوام ہنوں کہتے ہیں۔)

(۴۳) شیخ عیسیٰ مشوانی : عارف کامل و مکمل۔ مزار شیخ در قریہ داملہ کہ بر کنارۂ رود جون است۔ مؤلف اخبار الاولیاء کا بیان ہے کہ مشوانی در اصل سید ہے۔ مؤلف نے اس مسئلے پر پوری روشنی ڈالی ہے۔ اخبار الاولیاء سے اقتباس درج ذیل ہے:

"بدآنکہ مشوانی دراصل شریف است؛ چوں مادرِ اُو از قوم افغاناں بود ۔ ۔ ۔ ۔ وآنکہ بعضی گفتہ اند کہ مادرِ مشوانی سیدہ بود و پدرش افغان، غیر صحیح است۔ در "تواریخ افغانی" آوردہ کہ در زمانِ حیات سیرانی مردی صالح متدین صاحب حالت و کرامت سید محمدؐ نام درمیان ابادانی سہ تمن قرار گرفت۔ یک طرفہ آن سرزمین کاکر و جانبِ دیگر طائفہ کررانی وبصوب سیوم تمن شیرانی بود۔ مدتی مدید دراں مکان اقامت نمود و خلائق ہر سہ تمن از ذات عالیصفات آں برگزیدہ اللہ مستفید می بودند، اتفاقاً خوفے و ہراسے بر سر سہ تمن روی آورد و نزدیک رسید کہ پائمال حوادث گردند، رؤسا۔ ہر سہ جماعت استمداد ہمت ازاں ولی اللہ نمودند و نذر و فتوح بسیار قبول کردند، حق سبحانہٗ وتعالیٰ بہمین توجہ آن بزرگوار آن بلیہ را ازاں جماعت برطرف ساخت، اعتقاد ہر سہ طائفہ نسبت باحوال میر سید محمدؐ زیادہ شد، بانواع ھدایا و فتوحات پیش آمدند، حضرت میر بہیچ چیز ازاں ملتفت نشدند آں جماعہ مایوس شدہ، خواستند تا خدمتے شائستہ کہ منظورِ نظرِ شریف ایشاں گردد بتقدیم رسانند بایکدیگر مصلحت نمودند، رئیس ہر سہ تمن دختران خود را ھدیہ گزرانیدند، حضرت میر سہ دختر را قبول کرد بعقد صحیح شرعی خویش درآورد ازہر سہ عفیفہ سہ فرزند متولد شد، سید میر محمدؐ دختر زادۂ کاکر را مشوانی و نبیرۂ شیرانی را اشترانی نام نہاد و از عاجزہ کررانی دو پسر توامان بوجود آمد، یکے را ورک و دیگر را براہستی موسوم ساخت ۔ وایں ہر چہار طائفہ در افغانان سیدزادہ اند اما بواسطہ نسبت مادر افغان می گویند ۔

وسلسلہ نسب میر سیّد محمّد بن سیّد غوز بن سیّد عمر بن سیّد قاب بن سیّد قابن بن سیّد رجال بن سیّد اسمٰعیل بن امام باقر بن امام جعفر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ

وآنکہ در بعضے نسخ "تواریخ افغانی" "سیّد محمّد گیسو دراز نوشتہ از سہو ناسخ است کہ از مشارکت اسمی مشارکت مسمای فہمیدہ لقب سیّد محمّد گیسو دراز را کہ یکی از خلفائ ارشد حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی است بریں سیّد محمّد افزودہ است۔ (ص ۲۲۷ تا ۲۳۰)

(۴۴) شیخ ابوسعید مہمندؒ : مولد و مدفن ولایت، ان کی کچھ اولاد قصبہ سوریان نزد لاہور میں آباد ہے۔

(۴۵) شاہ قاسم خلیل : صاحبِ خوارق، جوانی ہی میں بغداد جاکر سیّد حسین سے بیعت ہوگئے۔ سیّد حسین حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی رحمہ اللہ کے اخلاف میں سے تھے۔ جہانگیر کے زمانہ میں ہندوستان چلے آئے۔ مزار قلعہ جنار میں برلب دریائے سیحون واقع ہے۔ بالا پیر نام ان کے فرزند بہت متشرع و متعبد تھے۔ ان کا مزار قنوج میں ہے۔

(۴۶) مولانا درویزہ ننگرہاری : درویش کامل و عالم عامل، شیخ علی غواص چشتی خلیفہ حضرت شیخ نظام الدین تھانیسری قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔ مدفن، قصبہ ہزارخانی نزد پشاور۔ صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔

(۴۷) مولانا عبدالکریم قدس سرہٗ : جانشین و قائمقام پدر خود مولانا درویزہ ننگرہاری، محقق افغانستان و عارف روہستان مزار علاقہ یوسف زئی میں واقع ہے۔

(۴۸) شیخ اختیار الدین شروانی : خلیفہ شیخ نظام نارنولی چشتی۔ نواحِ کالپی میں ان کا وطن تھا۔ اب ان کی اولاد قصبہ شمس آباد میں سکونت پذیر ہے۔

(۴۹) مولانا احسن ترینؒ : عالم و فاضل کامل۔ اشارۂ غیبی پر مدینہ منورہ جاکر کسی چشتی بزرگ سے مرید ہوئے۔ تین مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔ تیسرے حج سے واپسی پر اثنائے سفر ہی میں ٹھٹھہ کے نواح میں پیغامِ اجل آگیا۔

(۵۰) سعید خان میانہ برہانپوری : دو واسطہ سے ان کا سلسلہ حضرت شیخ نظام نارنولی سے ملتا ہے۔

(۵۱) شیخ زرمکار خنکؒ : خانوادہ چشتیہ و سہروردیہ کے مشائخ میں سے تھے۔

دَورِ حاضِر کے سیاسی اور اقتصادی مَسائِل اور اِسلامی تعلیمات و اِشارات

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سیّد مُحمّد میاں دامت برکاتہم

توسیع بیت المال

یہ عنوان ایجاد بندہ ہے مگر جو مدات ذکر کیے جا رہے ہیں وہ بیت المال کے مسلّمہ مدات ہیں ان کی تشریح آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو اس عنوان کی موزونیت کے متعلق آپ خود فیصلہ کر سکیں گے۔

اگر کسی قدیم مفہوم کو سمجھانے کے لیے کسی جدید اصطلاح کا استعمال کرنا ممنوع نہیں ہے، تو "توسیع بیت المال" کے لیے قومیانے یا قومی ملکیت میں دے دینے کی اصطلاح ممنوع نہیں ہونی چاہیے۔

ماخذ

فَیٔ، مفتوحہ علاقہ کو بھی کہا جاتا ہے اور اس علاقے کی آمدنی پر بھی "فَے" کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ (کتاب الاموال لابی عبید ص ۱۶)

سورۂ حشر میں فَیٔ کے مصارف بیان فرمائے ہیں۔ فقراء مساکین ابن سبیل (وغیرہ) اور اس تقسیم اور صرف کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (سورہ حشر)

"کہ تم میں سے جو دولت مند اور غنی ہیں۔ ان کے درمیان دُولۃ نہ ہو جائے۔ دُولۃ کے معنی "لینے دینے" کے بھی ہیں اور دُولۃ اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس کو لیا دیا جاتا ہے۔"

بس اس آیت کے معنی یہ کیے گئے ہیں۔

تاکہ وہ تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔ (بیان القرآن مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ)

مختصر یہ کہ یہ آیت ایک بنیادی اصول کی تعلیم ہے کہ جو چیز ایسی ہے کہ اس کا نفع عام ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی منفعت چند افراد کے اندر منحصر ہو کر رہ جائے۔ (آج کل کی اصلاح میں پیداوار اور ذرائع پیداوار چند افراد کے اندر محدود نہ رہنے چاہئیں، اس کے لیے اسلامی حکومت کا فرض ہوگا کہ جب بھی ایسی صورت پیدا ہو یا پیدا ہونے کا قوی امکان ہو وہ مداخلت کرکے ایسا راستہ نکال دے کہ اس کا نفع دائر سائر رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے بہت سے ارشادات اور فیصلے اس کی تشریح کرتے ہیں۔ حضرات ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے اس اصول کے ماتحت بہت سے احکام مرتّب فرمائے ہیں۔ ان کی تفصیل کے لیے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

ہمارے پیشِ نظر تفصیل نہیں ہے ہم صرف نظریات پیش کر رہے ہیں۔ یہاں چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن کے ذریعہ اس اصول کی بھی وضاحت ہوگی اور عنوان کا تقاضا بھی پورا ہوگا۔ (وَاللّٰہ الموفق و ھوالمعین)

تفصیل اس لیے بھی بے سُود ہے کہ حکومتِ اسلامیہ کی مجلسِ شوریٰ کو حق حاصل ہے کہ بیت المال سے متعلق جزوی مدّات میں مسلّم اصول کے تحت حالات اور وقت کے تقاضے کے بموجب جب ضرورت سمجھے ترمیم کرلے۔

(۱)

مَاْرِبْ۔ یَمَنْ کا مشہور مقام ہے جس کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں بھی ہے۔ یہیں کے رہنے والے ایک صحابی "ابیض بن حمال سبائی" تھے۔ ان کو ابیض بن حمال مآربی بھی کہا جاتا ہے۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست لے کر حاضر ہوئے کہ مآرب میں جو نمک ہے وہ ان کو عطا کر دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور فرمالی۔ جب یہ واپس ہو گئے تو ایک صاحب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے خیال نہیں فرمایا، آپ نے ان کو کیا عطا کر دیا۔ آپ نے ان کو "مَاءِ عِدّ" یعنی چشمہ عطا فرما دیا، جو کبھی بھی خشک نہیں ہوتا۔ آپ نے اس کو واپس لے لیا۔ (ترمذی شریف ص۶۶ باب ماجاء فی القطائع آخر کتاب الاحکام و مجمع البحار)

علماء کرام نے اس واقعہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے جو درخواست کی تھی کہ "الملح" (نمک) عطا کر دیا جائے تو اس کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اس جگہ سے نمک محنت و مشقت اور کسی خاص ترکیب (عمل و کد) (لمعات شرح مشکوٰۃ) سے برآمد کیا جاتا ہوگا۔ اسی بنا پہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ اس کی مثال ایسی ہوئی جیسے کسی جنگل سے درخت کاٹنے کی اجازت دے دی جائے یا لوہے کی کان سے ان ڈھیلوں یا پتھروں کو نکالنے کی اجازت دے دی جائے۔ جن میں سے خاص ذرات نکال کر لوہا بنایا جاتا ہے، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ "الملح" اس طرح کی کان نہیں بلکہ چشمہ ہے۔ اور چشمہ بھی موسمی نہیں ہے بلکہ اس کا یہ پانی جو خود بخود نمک بن جاتا ہے ہمیشہ رہتا ہے۔ (الدائم لا انقطاع لمادتہ۔ مجمع البحار)

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا پانی کے چشمہ کی تملیک یا تخصیص جائز ہے اور اس کو بطورِ جاگیر کسی کو دیا جا سکتا ہے؟

(۲) کیا ایسی قدرتی چیز جو مباح عام ہو اور اس کی ضرورت بھی عام ہو اس کو کسی فرد یا افراد کے لیے مخصوص کر دینا اور ان کی ملک بنا دینا درست ہے۔

جہاں تک پانی کا تعلق ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق اعلان فرما چکے تھے:

الناس شرکاء فی ثلاث الماء والکلاء والنار

(کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۹۵ فقرہ ۔ ۲۷۸)

تین چیزوں میں تمام انسانوں کا مساویانہ ساجھا ہے۔ پانی، گھاس، آگ (لپٹ اور روشنی یا اس کی تپش۔ باقی چنگاری جس کا کوئلہ بنتا ہے وہ اس کی ہے جس کی لکڑی ہے)

دوسری بات کہ یہ قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے اور اس کو بنانے کے لیے محنت و مشقت نہیں کرنی پڑتی تو اس کا جواب بھی اسی ارشاد سے معلوم ہو گیا کہ خودرو گھاس کی طرح یہ عام ہونی چاہیے۔ بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عطیہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ اصول کے خلاف تھا، لہٰذا آپؐ نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

فقہاء کرام نے اس چشمہ جیسے "معدن" کے لیے معدن ظاہر کی اصطلاح مقرر کی اور ضابطہ طے کر دیا کہ

"وہ زمین جہاں سے نمک خود بخود برآمد ہوتا ہے، جہاں سے تارکول یا تیل خود بخود بہتا ہے اور اس

طرح کی اور چیزیں جن کی ضرورت عوام کو ہوتی ہے" امام (خلیفہ) کو جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو بطورِ جاگیر یا بطورِ ٹھیکہ دے دے۔ کیونکہ ایسی معدنیات میں عوام کا حق ہے اور جاگیر یا ٹھیکہ پر دے دینے سے ان کا حق ضائع ہوتا ہے۔ خلیفہ کو عوام کا حق باطل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

(بدائع الصنائع جلد ۶ ص ۱۹۴ کتاب الاراضی)

امام (خلیفہ) کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسے "معدن ظاہر" کو جن سے عوام کو استغنا نہیں ہو سکتا (ان کو اس کی ضرورت رہتی ہے) جیسے نمک، کحل (سُرمہ) تارکول، مٹی کے تیل کا چشمہ اور وہ کنویں جن سے عام لوگ پانی پیتے ہیں۔ وہ کسی کو بطورِ جاگیر دے دے۔ (درمختار)

اگر وہ کسی کو دے بھی دے گا تو یہ حکم قابلِ عمل نہیں ہوگا۔ عوام کا حق پھر بھی باقی رہے گا اور جس طرح اس جاگیر دار کو اس معدنی چیز کے لینے کا حق ہوگا عوام کو بھی ہوگا۔

اور معدن ظاہر سے وہ مراد ہے جس کا قدرتی جوہر (جس کی بنا پر اس کو معدن کہا جاتا ہے) اجزاء زمین میں کھُلے طور پر ہو۔ (اس کو الگ کرنے میں کوئی خاص ترکیب یا محنت نہ کرنی پڑتی ہو۔)

ماکان جوھرھا الذی اودعہ اللہ تعالی فی جواھر الارض باراً

(درمختار کتاب احیاء الموات)

(۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلے سے جس طرح معدن ظاہر کا ضابطہ معلوم ہوا دوسرا ضابطہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو "معدن ظاہر" نہ ہو۔ یعنی وہ معدنی جوہر زمین کے اجزاء کے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہو کہ اس کو الگ کرنے میں محنت بھی کرنی پڑتی ہو اور مصارف بھی برداشت کرنے پڑتے ہوں جیسے لوہے یا سونے یا چاندی کی کان۔ تو ایسی زمین جس میں ایسی کان ہو وہ بطورِ جاگیر کسی کو دی جا سکتی ہے۔

پس ایسی زمین جو کسی کو دے دی گئی اور اس نے اس میں سے معدنی جوہر برآمد کیا تو کچھ ائمہ مجتہدین تو اس کو تجارتی کاروبار کی حیثیت دیتے ہیں۔ ان حضرات کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی برآمد (پیداوار) پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یعنی چالیسواں حصہ ان کو دینا ہوگا جن کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ اس کو "رکاز"

قرار دیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی (وفی الرکاز الخمس) کے بموجب اس میں خمس یعنی پانچواں حصہ لازم کرتے ہیں یعنی اگر سو من سونا برآمد کیا تو بیس من سونا ادا کرنا ہوگا۔ اور اس کے لیے سال پورا ہونا بھی شرط نہیں ہے، بلکہ جیسے جیسے برآمد ہوتا رہے گا۔ خمس کا ادا کرنا لازم اور فرض ہوتا رہے گا۔

لیکن موجودہ دور میں یہ بات تعجب انگیز ہوگی کہ مٹی کے تیل یا پٹرول کے چشمے اس طرح عام رہیں جب کہ ان چیزوں نے یہ اہمیت اختیار کرلی ہے کہ دفاع کا مدار ہی ان چیزوں پر ہے حتیٰ کہ سونے چاندی لوہے کی بھی ان کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں ہے تو ایسے ہی مسائل ہیں جن کے احکام وقت اور حالات کے تقاضوں کے بموجب بدلتے رہتے ہیں اور ارشادِ خداوندی

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ

(سورۂ نساء آیت ۸۳)

کے بموجب صاحبِ استنباط اور اہلِ علم و نظر اولی الامر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے پھر

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (سورۂ نساء آیت ۵۸)

کے بموجب اولی الامر کی اطاعت اور ان کے وضع کردہ قوانین اور قواعد کی تعمیل ضروری ہوتی ہے۔

پھر چونکہ مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بموجب ارشادِ خداوندی "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" (سورۂ شوریٰ آیت ۳۸) کوئی معاملہ اور کوئی تجویز، تجویز ہی نہیں ہے جب تک شوریٰ نہ ہو۔

اور امام یعنی خلیفہ پابند ہے کہ شوریٰ کے فیصلے پر عمل کرے یہاں تک کہ اس وقت جب کہ جنگِ اُحد میں کچھ صحابہ سے غلطی ہوگئی تھی اور وہ غلطی ہی شکست کا باعث ہوئی تھی۔ اس وقت بھی صاحبِ شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (ان سے (پیش آمدہ) معاملہ میں مشورہ کرو) (سورۂ آل عمران)

یعنی اگرچہ نافذ کرنا خلیفہ کا کام ہوتا ہے۔ اور اسی بنا پر ارشاد ہوا:

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط (سورہ آل عمران آیت ۱۵۹)

جب تم عزم کرلو (تو شوریٰ پر نہیں بلکہ) خدا پر بھروسہ کرو۔

مگر نفاذ سے پہلے وہ معاملہ قابلِ عمل معاملہ اور وہ فیصلہ فیصلہ جب ہی قرار دیا جائے گا جب مشورہ ہو چکا ہو۔ بہرحال شوریٰ کا کام ہوگا کہ وہ حالات اور ضرورتوں کا جائزہ لے اور اسی کے متعلق رائے قائم کرے۔

صاحب بدائع الصنائع مُوات یعنی افتادہ اور غیر آباد زمینوں کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فالامام یملك اقطاع الموات من مصالح المسلمین لما یرجع ذالك الیٰ عمارة البلاد

(کتاب الاراضی ص ۱۹۴ ج ۶)

یعنی اصل مقصد ملک کی تعمیر و ترقی ہے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر امام (خلیفہ) کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ غیر آباد اور دور افتادہ زمینوں کو آباد کاری کے لیے دے دے۔

پس امام (خلیفہ باجلاس شوریٰ) کے لیے یہ تو قطعاً ناجائز رہے گا کہ نمک یا تیل وغیرہ کے چشمے جو مباح الاصل ہیں اور ان سے عوام کی منفعت وابستہ ہے وہ کسی فرد یا افراد کو یا افراد کی جماعت (کمپنی) کو دے دے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کے بھی خلاف ہوگا اور اس نص قرآنی کے بھی خلاف ہوگا جو ہماری بحث کا ماخذ ہے (کی لا یکون دولة الآیة) البتہ تعمیر و ترقی کے پیشِ نظر یہ قطعاً جائز ہوگا کہ ان کو بیت المال کی ملک قرار دیا جائے اور حکومت اپنے طور پر ان کا وہ انتظام کرے جو ترقیٔ ملک کے لیے ضروری ہو۔

فان التصرف فیما یتعلق بمصالح المسلمین للامام ککری الانہار و اصلاح قناطرھا

(البدائع الصنائع ص ۱۹۴ ج ۶)

(۳)

آخر میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے دو واقعے بیان کرنے مناسب معلوم ہوتے ہیں جو نہایت دلچسپ اور سبق آموز بھی ہیں اور موضوع بحث کے لیے شمع ہدایت بھی۔

(الف) حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بہت بڑا رقبہ جو بہت طویل و عریض تھا حاصل کر لیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کے متعلق تحریر بھی لکھوا دی تھی۔ اس میں وضاحت تھی کہ اس پورے رقبے میں جتنے ٹیلے ہیں۔ جتنی نشیبی زمینیں ہیں اور جتنے معدن وغیرہ ہیں، سب ان کو دے دیے گئے۔

جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا طویل وعریض رقبہ حاصل کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلت مبارکہ یہ تھی کہ وہ سوال رد نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بڑا رقبہ آپ کو دے دیا۔ مگر آپ سب کو آباد نہیں کر سکے۔ بہت سا حصہ خالی پڑا ہوا ہے۔ اب یا تو آپ اس کا ذمہ لیجئے کہ سب آباد کریں گے ورنہ جس کو آپ آباد نہ کر سکیں اسے واپس کر دیجئے۔ وہ اور لوگوں کو دے دیا جائے گا جو اس کو آباد کر لیں۔

حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ نے کہا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رقبہ مجھے عطا فرمایا ہے۔ قسم بخدا میں اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں کروں گا۔"

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ "واللہ آپ کو واپس کرنا ہوگا۔"

پس جو حصہ حضرت بلالؓ آباد نہیں کر سکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حصہ حکماً واپس لے لیا اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ (کتاب الخراج یحییٰ ابن آدم حدیث ۲۹۴ وابوداؤد شریف کتاب الامارۃ والفی والخراج)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے بھی اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ مگر اس اختصار میں یہ تصریح بھی ہے کہ جس حصہ میں معدن تھے وہ ان سے واپس لے لیا۔

(ب) ھُنَیّ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، مگر نہایت ذہین، مستعد، دیانتدار اور آپ کے معتمد ہیں اور مذہباً عیسائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوج کے گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے جو چراگاہیں محفوظ کر رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک چراگاہ "ربذہ" کے قریب ہے۔ حضرت ھُنَیّ اس کے نگران اعلیٰ ہیں۔ قحط کا زمانہ ہے۔ بارش نہیں ہوئی۔ مویشی کو چارہ نہیں ملتا۔ آس پاس کے مویشی سرکاری چراگاہ میں بھی چلے آتے ہیں، ضابطے کے اعتبار سے ان کو پکڑنا چاہیے۔ مالکوں کو تنبیہ کرنی چاہیے۔ مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ھنی کو ہدایت فرما رہے ہیں۔

"اپنے بازو لوگوں سے سمیٹے رکھو (کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرو) مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہو کیوں کہ وہ قبول ہوتی ہے۔"

بقول شیخ سعدی رحؒ

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن ــــــــ اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

جن کے پاس اونٹوں یا بکریوں کے چھوٹے چھوٹے گلّے ہیں ان کے جانوروں کو مت روکو۔ ان کو آنے دو۔ اور دیکھو بھئی۔ عثمان بن عفان اور عبد الرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہما) (جیسے دولت مندوں) کے کسی ایک اونٹ کو بھی اندر نہ آنے دو۔ سختی سے روک دو۔ (ان حضرات کے پاس اونٹوں کے علاوہ اور بھی ذرائع ہیں) اگر ان کے اونٹ مر بھی جائیں تو ان کے باغ ہیں۔ کھیت ہیں (ان سے معاشی ضرورتیں پوری کریں گے) لیکن اگر ان غریب آدمیوں کے مویشی مر جائیں گے تو یہ میرے پاس پکارتے ہوئے آئیں گے۔ یا امیر المؤمنین، یا امیر المؤمنین تیرا باپ مرے (لا اب لک) اے بھئی! کیا میں ان غریبوں کو چھوڑ سکتا ہوں؟ (مجھے ان کی ضرورتیں پوری کرنی ہوں گی اور نقد رقم خرچ کرنی پڑے گی) اب تم ہی بتاؤ (سستا سودا کیا ہے؟) گھاس سستی ہے (جس کو ان کے مویشی چریں گے) یا سونا چاندی۔

اور دیکھو (اس کا ہمیشہ خیال رکھو) یہ زمینیں (جن کو ہم نے بحق حکومت محفوظ کر لیا ہے) انہیں کی زمینیں ہیں۔ (جو یہاں کے قدیم باشندے ہیں۔ اسلام سے پہلے حملہ آوروں سے لڑ کر اور مقابلہ کر کے انہوں نے اپنی ان زمینوں کو محفوظ رکھا۔ اسلام کا دور آیا تو اپنی ان زمینوں کی حفاظت کرتے ہوئے دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان کے ذہن یہ سوچ سکتے ہیں کہ ہم نے ان پر ظلم کیا ہے (کہ ان کی زمینیں بحق خلافت ضبط کر لیں اور ان کا "حمیٰ" بنا لیا۔) اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ اونٹ نہ ہوتے جن پر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سامان لادا جاتا ہے تو میں کسی ایک کی بھر زمین بھی ضبط نہ کرتا۔ (بخاری شریف ص ۴۳۰)

اسی سلسلہ میں ایک اعرابی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور بڑے جوش سے تقریر کرنے لگا:

"یہ آبادیاں اور یہ زمینیں ہماری ہیں۔ زمانہ اسلام سے پہلے ہم نے جان کی بازی لگا کر ان کی حفاظت کی۔ پھر ہم اسلام سے مشرف ہو گئے۔ تب بھی ہم ان کی حفاظت کرتے رہے۔ آپ کو کیا حق ہے کہ (ان کو ضبط کر لیں) اور حمیٰ بنا لیں۔"

اعرابی بڑے جوش سے تقریر کر رہا تھا اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ گردن جھکائے ہوئے تھے۔ سانس پھول رہا تھا اور اپنی مونچھ مروڑ رہے تھے۔

(یہی عادت تھی کہ پریشانی اور گہرے غور و فکر کے وقت سانس پھول جاتا تھا اور مونچھ کو اینٹھنے لگتے تھے)

اعرابی نے اپنا اعتراض باربار دہرایا تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

"اَلْبِلَادُ بِلَادُ اللّٰہِ (وفی رِوَایَۃٍ۔ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰہِ وَالْمَالُ مَالُ اللّٰہِ) وَنَحْمِی لِنَعَمِ مَالِ اللّٰہِ یُحْمَلُ عَلَیْہَا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ وَاللّٰہِ لَوْلَا مَا اَحْمِلُ عَلَیْہِ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ مَا حَمَیْتُ مِنَ الْاَرْضِ شِبْرًا فِی شِبْرٍ۔"

(کتاب الاموال لابی عبید فقرہ ۷۴۰۔ ۷۴۱، ص ۲۹۹ و ابن سعد بحوالہ فتح الباری ص ۱۳۳ جلد ۶)

ملک اللہ کا ہے۔ انسان اللہ کے ہیں۔ مال اللہ کا ہے۔ یہ اونٹ اللہ کے ہیں (جن کے لیے یہ چراگاہ بنائی گئی ہے) وہ مال جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ہے جو اِن پر لادا جاتا ہے۔ اگر یہ مال نہ ہوتا اور اس کو لادنے کے لیے اونٹوں کی ضرورت نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں کسی کی ایک مربع بالشت زمین بھی ضبط نہ کرتا۔"

(کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۹۹)

وہاں سب کچھ اللہ کے لیے تھا۔ یہاں سب کچھ پیٹ کے لیے ہے۔ (معاذ اللہ)

دوسرا فرق یہ ہے کہ دورِ حاضرہ میں تیل اور پٹرول وغیرہ نے وہ اہمیت حاصل کر لی، جو اس زمانے میں اونٹ گھوڑے اور گھاس کو حاصل تھی۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اس وقت زمینوں کو بیت المال کے تصرف میں لے کر "حمٰی" بنایا گیا۔ اب کانوں اور چشموں اور دیگر جنگی ضرورتوں کی چیزوں کو بیت المال کے تصرف میں لیا جا سکتا ہے اور قومی ملک بنایا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

———

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجیے